

زندگانی زندگانی

شمارنامہ

۲۵ مارچ ۲۰۲۱ء مطابق ۲۵ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ

جلد نمبر ۵۳

اس شمارے میں

۱	شعر و ادب	حضرت جگر آبادی
۲	تو فکر و نظر تو پیدا کر، کیا چیز ہے جو انعام نہیں	حضرت جگر آبادی
۳	دین نظر سے بغاوت کا سبب	مُسْلِمِ الحق ندوی
۴	عصر حاضر	حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی
۵	مادر، امت کے لیے سرپرستہ حیات	حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی
۶	مسلم سماج	اوادی تعلیم و تربیت
۷	حضرت مولانا سید محمد رالح حقی ندوی	حضرت مولانا سید محمد رالح حقی ندوی
۸	لمحہ فکریہ	کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت
۹	مولا ناذ اکٹر سعید الرحمن عظیٰ ندوی	مولا ناذ اکٹر سعید الرحمن عظیٰ ندوی
۱۰	فکر معاصر	مولا ناصید ندوی
۱۱	پورپ بیداری سے پہلے	مولا ناصید ندوی
۱۲	فتح و نصرت	مولا نا ابوالکلام آزاد
۱۳	علم و عمل	یادوں کے چواغ
۱۴	مولا ناصید ندوی	مولا ناصید ندوی
۱۵	فکر و عمل	مولا ناصید ندوی
۱۶	صبر و استقامت اختیار کرنے کی ضرورت	مولا ناصید ندوی
۱۷	شع فروزان	مولا نا خالد سیف اللہ رحمانی
۱۸	تہذیب ارتداوری بقا و حفظ	عبد الرشید ندوی راجستانی
۱۹	علم و عمل	تعمیم و تربیت میں سیرت و کردار کی اہمیت
۲۰	کاروان علم و دعوت	اسلام کا تعارف و وقت کی بڑی ضرورت
۲۱	محمد امین حقی ندوی	محمد امین حقی ندوی
۲۲	فقہ و فتاویٰ	سوال و جواب
۲۳	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	مفتی محمد ظفر عالم ندوی

.....
حضرت مولانا سید محمد راجح حقی ندوی
(ناظم ندوۃ اسٹبلائیکھنو)

.....
مولانا سید محمد راجح حقی ندوی
(ناظم ندوۃ اسٹبلائیکھنو)

.....
مدد میر مسٹو
شمس الحق ندوی

.....
مولا ناصید الدنوی غازی پوری
محمد اصفاء الحسن کاندھلوی ندوی

.....
تریل زراور خوط و تباہت کا پتہ

TAMEER-E-HAYAT

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-226007, Ph.:0522-2740406
www.nadwatululama.org, E-mail: tameer1963@gmail.com

Office Time : 07:30 AM to 01:30 PM

ضخموں نگاریکی رائے سے ادارہ کا فتحت و تناصری نہیں ہے

سالانہ رزقاوں - 300 فی شمارہ - 15 ایشیائی، یورپی، افریقی، امریکی ماڈل کے لئے - 60\$ ڈالر

ڈرافٹ نیجیریہ حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر نیجیریہ حیات ندویہ احمدیہ لائسنس کے پتے پر وارد کریں۔ چیک سے کمیٹی جانے والی رقم مرقب All CBS Payable Multicity Cheques

آپ کی بیداری نمبر کے نیچے اگر سچے لیکھتے ہوئے تجھیں کام کا کام کارپوریشن ختم ہو جائے، اتنا جلدی رزقاوں اس کا خیال کریں۔ اور منی آڈر کوپن پر پانچ بیداری نمبر سو لکھیں ہو۔ بالکل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ ٹھیک ہیں۔ (نیجیریہ حیات)

پرنٹر پبلیش اٹھر حسین نے آزاد پرنگ پر لیس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات نیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

تو فکر و نظر تو پیدا کر، کیا چیز ہے جو انعام نہیں

حضرت جگ مراد آبادی

اللہ اگر توفیق نہ دے، انسان کے بس کا کام نہیں

فیضانِ محبت عام سہی، عرفانِ محبت عام نہیں

یہ تو نے کہا کیا اے ناداں، فیاضی قدرتِ عام نہیں

تو فکر و نظر تو پیدا کر، کیا چیز ہے جو انعام نہیں

یا رب یہ مقامِ عشق ہے کیا؟ گودیدہ و دل نا کام نہیں

تسکین ہے اور تسکین نہیں، آرام ہے اور آرام نہیں

کیوں مستِ شرابِ عیش و طربِ تکلیف توجہ فرمائیں

آوازِ شکستِ دل تو ہے، آوازِ شکستِ جام نہیں

آنا ہے جو بزمِ جاناں میں، پندرہِ خودی کو توڑ کے آ

اے ہوشِ خرد کے دیوانے، یاں ہوشِ خرد کا کام نہیں

زاہد نے کچھ اس انداز سے پی، ساتی کی لگا ہیں پڑنے لگیں

میکش یہی اب تک سمجھے تھے، شائستہ دورِ وجام نہیں

عشق، اور گوارا خود کر لے بے شرطِ شکستِ فاشِ اپنی

دل کی بھی کچھ ان کے سازش ہے، تہایہ نظر کا کام نہیں

سب جس کو اسیری کہتے ہیں وہ تو ہے اسیری ہی لیکن

وہ کون سی آزادی ہے یہاں، جو آپ خود اپنا دام نہیں



دین فطرت سے بغاوت کا سبب

مشکل ندوی

جاہ و منصب، حرص و ہوس اور خواہشات نفسانی کے شکار لوگوں نے دین و مذہب کو ہمیشہ اپنی آزاد، من مانی زندگی گزارنے کی راہ میں رکاوٹ سمجھا ہے اور اس سے دور رہنے کی مہم ہمیشہ چلتی رہی ہے، خصوصاً مغربی قوموں نے مذہب کو زندگی سے الگ رکھنے کی کوشش ہمیشہ جاری رکھی ہے، اس لیے کہ مذہب کا عقیدہ انسان کے اندر وون کی وہ طاقت ہے جو اس کو فطری اصولوں کی طرف رہنمائی کرتی ہے، اس کے برخلاف مذہبی عقیدہ سے آزادی انسان کو فطری اصولوں کے بجائے خواہشات نفسانی اور ہر قسم کی قید و بند سے آزادی کی طرف لے جاتی ہے اور ایرانی فلسفی (Epicurus) کے فلسفہ لذتیت کو زندگی کا حاصل بتاتی ہے، لذتیت کے اس نظریہ کے بعد جب معاشرہ اور سوسائٹی میں اس کا چلن ہو جائے تو فطری اصولوں کا خاتمه ہو جاتا ہے۔

پھر اس معاشرہ میں ظلم انصاف کا نام پاتا ہے، دھوکا بازی ذہانت و ہوشیاری کا نام پاتی ہے، اپنے عیش و عشرت اور خوش حالی کے لیے لوٹ مار، قتل و غارت گری، بہادری و جوانمردی کہلاتی ہے، اپنی بہیانہ خواہشات کی پیغمبل کے لیے بے حیائی و فحاشی، عریانی، اور نجاشی ناج گانے، آرٹ اور ثقاوت کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں، ہنی عیاشی ولذت کو شی کے لیے نخش و عریاں لڑپر جو سر پا بے ادب ہوتا ہے، ادب کا نام پا جاتا ہے، مذہب جو انسان کے اندر و دیعت فطری اصولوں کا محافظہ ہے، وہ ان تمام چیزوں کو غلط قرار دیتا ہے جو فلسفہ لذتیت کی دین ہیں، اس لیے فلسفہ لذتیت کے متواuloں کا مذہب پسند لوگوں سے ناراض ہونا اور اپنے کھل کھینچ کی آزادی میں رکاوٹ سمجھنا ایک نفیاتی بات ہے، ایسا نہیں ہے کہ مذہب نے انسان کے فطری جذبات و خواہشات کو دبادیئے اور ختم کر دینے کا قانون بنادیا ہے، نہیں بلکہ اس کی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے بہت پاکیزہ اور سترے اصول بتائے ہیں۔

مغربی تہذیب اور اس کے ذرائع ابلاغ و اعلام کی جدید ایجادات نے فلسفہ لذتیت کو بھر پور غذا فراہم کر دی ہے، آلات رقص و سرود، میلی و پیش اور ان پر نخش فلمیں، ان سب چیزوں سے نوجوان (جن میں یوں بھی خون کی گرمی اور حدت ہوتی ہے، اور ان کے جذبات میں جلد ہیجانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے) بری طرح متاثر ہوتے ہیں، اور اس ہیجانی حالت سے مست ہو کر وہ تمام فطری اصولوں سے آزاد ہو جاتے ہیں، اور درندگی و بھیثت کی حدود میں داخل ہو جاتے ہیں، جس کا بیوت ہر صبح کو اخبارات پیش کرتے رہتے ہیں، موجودہ ماحول میں انسان کی خی زندگی لذتیت کی تابع ہے اور اجتماعی و سیاسی زندگی اس طرح ان کے گرد گھوم رہی ہے، جس میں ہر شخص کے سامنے اس کا ذاتی اقتدار اور قوت ہے اور اس پر دوسرے کو مغلوب کرنے کا جذبہ کام کر رہا ہے، اس وقت دنیا کے متعدد ملکوں میں باہمی کشمکش اور لڑائیاں جاری ہیں، مغربی افکار و نظریات سے متاثر لوگوں کا کہنا ہے کہ ان لڑائیوں کا سبب مذہب ہے، مذہبی فرق ختم ہو جائے تو لڑائی اور فساد ختم ہو جائے گا، حالانکہ یہ لڑائیاں مذہب کی وجہ سے نہیں بلکہ ان مذکورہ بالا تصورات و نظریات کے غلبہ کا لازمی نتیجہ ہیں، جس کو ہر وہ شخص محسوس کر سکتا ہے جو زر اسی طبعی اور فطری حس سے کام لے جس کو مذہب نے ”کل مولود یولد علی الفطرة“ سے ادا کیا ہے۔

کوئی بھی آسمانی مذہب کسی دوسرے مذہب کے پیش رووں کو بلا سبب صرف مذہبی اختلاف کی وجہ سے مارنے اور قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ ہر انسان کے ساتھ حسن سلوک، محبت و ہمدردی کا سبق دیتا ہے، مذہب تو کہتا ہے:

”مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَانَمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا“ (جو شخص کسی کو ناحق قتل کرے گا، (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدله لیا جائے یا ملک میں خرابی پیدا کرنے کی سزا دی جائے، تو اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کر دیا)۔

پیغمبر اسلام محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک فرمایا کہ: ”خدا کی قسم وہ اصلی مومن نہیں، واللہ وہ پورا مومن نہیں، عرض کیا گیا اللہ کے رسول کون پورا مومن نہیں؟ فرمایا: وہ پورا مومن نہیں جس کا پڑھوئی اس کی شراتوں سے امن میں نہیں۔“

جو لوگ مغربی افکار سے متاثر ہو کر، حقیقی اور داخلی اسباب کا جائزہ لیے بغیر مذہب کو اس کا سبب بتاتے ہیں، وہ کس دنیا میں رہتے ہیں، اس کا سبب صرف اور صرف یہ ہے کہ مذہب کا صاف شفاف اور محبت و امانت، اخلاق و رواداری، ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور بھائی چارہ کے انسانی جذبہ کا آئینہ جب سامنے آئے گا، ان آزادوں بے مہار لوگوں کی غلط کاریوں پر روک لگے گی، اگر کہیں مذہبی بنیادوں پر کوئی کشمکش نظر آتی ہے تو حقیقت حال معلوم کرنے سے پتہ چلے گا کہ اس کے اسباب سیاسی ہیں۔

قرآن مجید ایک آسمانی کتاب ہے جو انسانوں کے لیے انسانی زندگی گزار کے اصول و احکامات لے کر اتری ہے، جس کی سچائی کا اعتراف بہت سے موئینین نے بھی کیا ہے جو سرے سے اسلام کو تسلیم ہی نہیں کرتے، قرآن کریم چونکہ آسمانی کتاب ہے اور خدا کے معصوم نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انسانوں کے لیے دستورِ حیات کے طور پر اتاری گئی ہے، اس لیے اس میں جو کچھ کہا اور بتایا گیا ہے، انسانی مزاج و ضروریات کی بنیاد پر کہا گیا ہے، اس لیے کہ اس کا اتارنے والا انسانوں کا خالق ہے، جو ان کے خیر و طیبیت سے خوب واقف ہے، اس لیے وہ مذہب دُمن لوگوں کی تصویر کشی اس طرح کرتا ہے:

”وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَاتُلُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ“۔ [سورہ بقرہ: ۱۱] (جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین پر فساد ملت پھیلاو تو کہتے ہیں کہ ارے ہم تو اصلاح کر رہے ہیں (کان کھول کر) سنو! مہی فساد پھیلانے والے ہیں)۔

اس وقت ہم کو جو طوفان نظر آ رہا ہے وہ اسی خدائی فرمان: ”أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ“ کی جیتنی جاگتی تصویر ہے۔

مذہب دشمنی کا اصل علم بردار یورپ ہے، اس لیے اس نے اپنا نظام تعلیم ایسا بنا�ا ہے جس سے دین کے خلاف نفرت پیدا ہوا اور انسانوں کو من مانی زندگی گزارنے کی پوری آزادی رہے، علامہ محمد اقبال نے ذیل کے شعر میں اسی حقیقت کو پیش کیا ہے۔

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم

ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

یورپ نے اپنے اس خیال کو پوری دنیا میں عام کیا اور اس وقت یورپ سے مروع بسیجی لوگ اس کی بولی بول رہے ہیں، جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا: ”کل مولود یولد علی الفطرة“، مذہب تو انسان کی فطرت میں داخل ہے، عالم و جاہل، رذیل و شریف، شاہ و گدا، افریقہ کا وحشی اور یورپ کا تعلیم یافتہ سب اس میں برابر کے حصہ دار ہیں۔

قرآن مجید اس حقیقت کو بہت واضح طریقہ پر اس طرح بیان کرتا ہے:

”فَآقِمْ وَجْهَكَ لِلَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا، لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيْمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ“۔ (انہا منہ سب طرف سے موڑ کر دین کی طرف کر، یہ خدا کی فطرت ہے جس پر خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے، خدا کی خلقت میں تغیر نہیں ہوتا، یہی ٹھیک ہے، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں)۔

عصر حاضر

اس امت کا دامن علم سے

باندھ دیا گیا ہے

تو اس امت کا دامن علم سے باندھ دیا گیا ہے، اور اس امت کے لیے گویا یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے کردی گئی ہے ان آیتوں کے ذریعے، کہ پہلی وحی جونازل ہوتی ہے اس میں نہ عقائد کے بارے میں کچھ کہا جاتا ہے، نہ ان چیزوں کے بارے میں جو بنیادی چیزیں ہیں، جن پر اسلام کی بنیاد قائم ہے، نہ عبادات کے متعلق کہا جاتا ہے، نہ معاملات کے متعلق کچھ کہا جاتا ہے، اور نہ وہاں کے رسم کے خلاف کچھ کہا جاتا ہے، نہ جاہلیت کے خلاف کہا جاتا ہے، وہاں جو پہلی بات کہی جاتی ہے، پہلا لفظ جو بولا جاتا ہے، حضرت جبریل جس کو ادا کرتے ہیں، آپ سے ادا کروانا چاہتے ہیں، وہ ہے: "إِقْرَأْ"

یا ایک انساف، یا ایک حیرت انگیز چیز ہے کہ سوچنے سمجھنے والے انسان کو بڑے ٹھکر اور تدبر پر، اور ذہانت پر اور نکتہ شناسی پر، حاضر شناسی پر آمادہ کرتی رکھا گیا ہے، ایک ایسے شہر میں کہ جہاں قلم ڈھونڈنے سے ملتا، میں اپنے تاریخ عرب کے مطالعہ کی روشنی میں کہتا ہوں کہ مکہ مکرمہ میں شاید تمین چار گھروں میں قلم مسلکتے، زیادہ قلم دستیاب نہیں ہو سکتا تھا، اور پھر ایک ایسی شخصیت پر، ایک ایسے انسان کا لپر، اور ایک ایسے اللہ کے محبوب بندے پر کہ جو دنیاۓ انسانیت کو نجات دینے کے لیے مبعوث ہوا ہے، اور جس کو علم کے دریا پھیلانے ہیں، دریا بہانے ہیں، اور علم کے خزانے زمین سے الگوانے ہیں، اور جس کو ذہانت اور قوت مطالعہ اور تدقيق و تحقیق کی آخری معراج عارف اور بڑے سے بڑا ہیں آدمی بھی نہیں کر سکتا۔

سوچنے کی بات ہے کہ ایک ایسی قوم میں جس کو قرآن مجید میں خود کہا گیا ہے، تو وہ علم نہیں، بلکہ رشتہ جب اسم سے ٹوٹ گیا ہے، تو وہ علم نہیں، بلکہ

مدارس امت مسلمہ کے لیے سرچشمہ حیات

[نومبر ۱۹۹۵ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء پر پولیس چھاپا اور فائرنگ کے واقعہ کے بعد ۵/جنوری ۱۹۹۵ء کوندوۃ العلماء (لکھنؤ) میں منعقد تھخط مدارس کنوش، کے اختتامی اجلاس میں کی گئی تقریب]

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

الحمد لله رب العالمين و الصلاة و السلام على سيد المرسلين و خاتم النبيين محمد و آله و صحبه أجمعين، ومن تعهم بإحسان و دعا بدعوتهم إلى يوم الدين، أما بعد! أعود بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم:

"إِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ إِلَيْنَا مِنْ عَلَقٍ، إِقْرَأْ وَرَبِّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلِمَ بِالْقَلْمَنِ، عَلِمَ الْإِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمُ".

[سورۃ الحلق: ۱-۵]

سوچنے کی بات

حضرات! ایک ایسے دارالعلوم میں، ایک ایسے علمی مرکز میں جس کی شہرت پورے عالم اسلام میں ہے، اور جہاں علم کے آخری درجہ کی کتابیں اور علوم و فنون پڑھائے جاتے ہیں، اور اس کے نکات اور حقائق بیان کیے جاتے ہیں، اس کے ایک ایسے جلسہ کا انتظام جو مدارس ہی کی حفاظت اور مدارس کی ترقی اور مدارس کے بقا کے لیے کیا گیا ہے، میں ان آیتوں سے کرتا ہوں جن سے مسلمان کی بسم اللہ ہوتی ہے، اور اس سے زیادہ موزوں کوئی اور بڑے سے بڑا عارف اور بڑے سے بڑا ہیں آدمی بھی نہیں کر سکتا۔

سوچنے کی بات ہے کہ ایک ایسی قوم میں جس کو قرآن مجید میں خود کہا گیا ہے، یہودی زبان نازل ہوتی ہے،

مدارس امت مسلمہ کے

لیے حیات کی شروط
 تو جہاں تک امت مسلمہ کا تعلق ہے، یہ آج اس جلسے کے موضوع کا بھی تقاضا ہے کہ یہ بات صاف چشمہ ہیں، اور اس کو اسلام کے راستے پر ڈالنے والے ہیں، اسلام کو سمجھانے والے ہیں، اسلام پر عمل کرنے کی ترغیب دینے والے اور پھر زمانے کہ مدارس امت مسلمہ کے لیے حیات کی ایک شرط ہیں، وہ اس کی شراکٹ حیات اور شرائط بقاء میں سے ہیں، اور اُسی سے اس امت کا باقاعدہ ارتسلل بحیثیت امت ہدایت کے باقی رہے گا، جس کا علم سے بھی رشتہ توڑا نہیں جاسکتا، اور توڑا جائے تو توڑ نہیں سکتا، اور اگر توڑا جائے گا تو پھر یہ امت کشی ہوگی، امت اسلام کشی ہوگی، پھر اس کے بعد جہاں تک تعلق ہے دوسرا مالک کا، اور دوسرا مالک کا، اور تمدنی مرکزوں کا، تو میں نے جیسے اشارہ کیا اپنی پچھلی معروضات میں کہ یہ مدرسے شفاخانے ہیں ان تکوں کے لیے، اور بلکہ میں صاف کہنا ہوں، بات ذرا سمجھ میں آنے والی ہے کہ مدارس کا وجود ممیڈیکل کالج سے زیادہ ضروری ہے، یہ ممیڈیکل کالج جہاں پر علاج ہوتا ہے، جہاں بالکل لب دم اور جال بلب مرضیوں کو لے جایا جاتا ہے، میں ان کی افادیت سے انکار نہیں کرتا، اور میں اس سے بعض ذرائع سے اور بعض مواقع سے بہت قریب بھی رہا ہوں، تیاروار کی حیثیت سے بھی میں نے قیام کیا ہے، مرضی کی حیثیت سے بھی میں نے قیام کیا ہے، اور میرے مربی اور معلم میرے بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب لکھنؤ کے ممیڈیکل کالج کے فاضل تھے اور اس کے سند یافتہ تھے، تو میں ان کی افادیت سے انکار نہیں کرتا۔

لیکن اگر غیر فانی حیات اور آخرت، اور انسان کی ہدایت و ضلالت کا مسئلہ، اور انسان کی حیات و

ہو، اس کی رہنمائی میں ہو، اس کی رفاقت میں ہو، تو جہاں تک امت مسلمہ کا تعلق ہے، اس کے لیے تو مدارس اس لیے ضروری ہیں کہ یہ مدارس اس کی زندگی کا سرچشمہ ہیں، اور اس کو اسلام کے راستے پر ڈالنے ہے دنیا کا۔

آج علم نافع کیوں نہیں؟

اس کو میں نے مغربی ممالک میں بھی کہا کہ علم جو آج مفید نہیں ہو رہا ہے، نافع نہیں ہے، وہ اس وجہ سے کہ علم علم ہے لیکن اسم نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے علم کو اسم کے ساتھ جوڑا تھا، اور دونوں کا دامن باندھ دیا تھا، اور علم کو اسم کے ساتھ مربوط کر دیا تھا، جب علم اسم سے محروم ہو جائے گا، اور پھر محروم ہی نہیں باغی ہو جائے گا، اس اس کے خلاف وہ بغاوت کرے گا، انکار ہی نہیں بلکہ اس کو پردہ وجود سے ختم کرنا چاہے، لیکن شرط یہی ہے کہ علم اسم الہی سے مربوط ہو، اور اسی کی رہنمائی میں ہو، اور پھر انھیں آئیوں میں خیال فرمائیے کہ غارہاء میں یہ آئیتیں نازل ہو رہی ہیں ایک نبی اُمی پر، اور ایک شہر اُمی پر، بلد اُمی میں، اور ایک ملک اُمی میں اور ایک امت اُمیہ میں، لیکن اس میں قلم کا بھی ذکر ہے، اس میں صاف پیشیں گوئی تھی، اس پر بہت کم لوگوں نے غور کیا کہ ان آئیوں میں یہ اعلان کیا ہے اور اس اعلان پر بہت کم لوگوں نے غور کیا کہ یہ امت قلم کے استعمال کرنے والی امت ہو گی، اور قلم سے ہدایت و رہنمائی کا کام لے گی، قلم سے وہ ان خرابیوں، ان بیماریوں کو دور کرے گی جن میں انسانیت بتلا ہے، قلم کا سب سے زیادہ صحیح استعمال کرنے والی یہ امت ہو گی، اس لیے کہ اس کے نبی اُمی پر جو آئیتیں نازل ہو رہی ہیں، ان میں بھی قلم کو فراموش نہیں کیا گیا ہے، اس میں قلم کا الفاظ آیا ہے: "الَّذِي عَلِمَ بِالْقَلْمَ، عَلِمَ إِلَّا نَسَأَنَ مَالَمْ يَعْلَمُ"۔

مدارس امت مسلمہ کے

لیے کیوں ضروری ہیں؟
 تو جہاں تک مسلمانوں کا، امت مسلمہ کا تعلق ہے، اس کا تو دامن بندھا ہوا ہے، اس کے لیے تو شرط ہے کہ اس کی زندگی کا آغاز، اس کی شوری زندگی کا آغاز کم "اقرار" قرأت کے عمل کے ساتھ ہو، اور اسم کے سایہ کے نیچے ہو، اس مربانی، اس لہجی کے سایہ کے نیچے ہو، اور وہ اس کی سرپرستی میں

اور میں صفائی کے ساتھ کہتا ہوں جو وہاں لوگ جا چکے ہیں، جو لوگ وہاں کے حالات پڑھتے ہیں کہ یہ جو کوشش ہو رہی ہے اس وقت Fundamentalism کے خلاف، اور مسلمانوں میں مذہبی جذبہ کو سرد کرنے کے لیے، اس میں اس کو بھی دخل ہے، احساسِ مکتری کو بھی دخل ہے، اور اس میں اس خطرے کے احساس کو بھی دخل ہے کہ امریکہ اور یورپ اور مغربِ زوال کی طرف جا رہے ہیں، اور اس میں ایک امکان یہ بھی ہے کہ اسلام قبول کر لیں، انہوں نے اپنی تشفی کے لیے بھی اور کسی قدر اس کے انتظامی لحاظ سے بھی ان اسلامی ممالک میں خود تحریک پیدا کی ہے کہ بیان پرستی کو ختم کیا جائے، اور افسوس ہے کہ ہمارے ان ملکوں کے حکمرانوں نے اور وہاں کی صاحبِ اقتدار جماعت نے اس کو قبول کر لیا ہے، اس کے متعلق میں بہت تفصیل سے اپنے عربی مضمایں میں لکھ چکا ہوں، ان کے ترجیحے بھی ہوئے ہیں، میں تفصیل میں نہیں جاؤں گا، لیکن اس وقت اگر کوئی چیز بچا کتی ہے تو وہی علم نافع اور آسمان سے اترنا ہو اعلم ہے، اس علم سے وابستہ ہے۔

اگر یہ ان لوگوں کو معلوم ہو جائے تو پھر وہ ان مدارس کو، ممکن ہے کہ بہت سے مدارس کی انتظامی کمیٹیوں اور ان کے سرپرستوں اور ان کے رہنماؤں سے زیادہ، وہ ان مدارس کا قائم رہنا ضروری سمجھیں اور ان کی حفاظت کریں، اور یہ آگ بھانے والے انجمن جو ہیں اور ان کے جو مرکز ہیں، ان سے زیادہ ان مدارس کو اہمیت دیں، کہ ہوں کی آگ کو نفس پرستی کی آگ کو، اور پھر دولت پرستی کی آگ کو (جو آخری چیز ہے) بھانے والے بھی انجمن ہو سکتے ہیں، ان انجمنوں کی حفاظت کریں۔

حیات فانی ہے، اور چاہے کتنے ہی سال کی ہو، سو برس کی ہو، یا اس سے زائد کی ہو، اس کے بعد پھر فنا ہونا ہے، آگ میں جل جانا ہے، یا مٹی میں چھپ جانا ہے، اگر اس حقیقت پر بھی نظر ہوتا ہے، وہ ان مدارس کی جگہ جہاں سے حیاتِ حقیقی کا پیغام ملتا ہے، اور شفائےِ کلی کا پیغام ملتا ہے، اور جہاں سے زہر کا تریاق ملتا ہے، اور جہاں سے زندگی میں معنویت پیدا ہوتی ہے، زندگی میں افادیت پیدا ہوتی ہے، اور زندگی میں زندگی میں ارتقاء پیدا ہوتا ہے، اور زندگی میں انصاف پیدا ہوتا ہے، اور زندگی میں انسانِ دوستی پیدا ہوتی ہے۔ وہ ان مدارس کی سرپرستی کرے اور ان کو قائم کرے اور قائم کروائے، اور اگر کوئی ان کو بُری نگاہ سے دیکھے تو وہ اس کی دشمن بن جائے کہ ان مدارس کا رہنا ضروری ہے۔

بلاکت کا مسئلہ سامنے لایا جائے، اور حیات بھی نافع، حیات بھی حیات بخش، حیات ہی نہیں، حیات بخش، اور پھر علم بھی نافع، اور پھر دوسروں کو نفع بھی پہنچانے والا ہو، تو یہ مدارس ان میڈیا میکل کالجز سے بھی زیادہ ضروری ہیں، وہاں جسم کا علاج ہوتا ہے، عضو کا علاج ہوتا ہے، کسی انسانی جسم کے کسی نکٹرے کا علاج ہوتا ہے، کسی بیماری کا انکشاف ہوتا ہے، لیکن وہ بہر حال زندگی عارضی ہے، زندگی کی بیماریاں بھی عارضی ہیں، زندگی کا انجام بھی سب کو معلوم ہے، یہ زندگی ہمیشہ ہے والی نہیں ہے۔

مدارس سے حیاتِ ابدی کا تحفہ ملتا ہے

لیکن یہ مدارس وہ شفاخانے ہیں جہاں سے حیاتِ ابدی کا تحفہ ملتا ہے، اور حیاتِ اخروی کی نعمت ملتی ہے، اور انسان کا خدا سے ربط قائم ہوتا ہے، مخلوق کا ربطِ خالق سے قائم ہوتا ہے، مرزوق کا ربطِ رازق سے قائم ہوتا ہے، مجبور کا ربطِ قادر مطلق سے قائم ہوتا ہے، اور یوں سمجھئے کہ انسان اس کے ذریعے سے بامعاں بنتا ہے، اور ایک زندگی کی ضرورت ثابت ہوتا ہے۔

اس لیے اگر انصاف ہو، سلامتِ فکر ہو، اور حکومتِ تقصیبات سے پاک ہو، اور وہ حقائق کو سمجھنے والی ہو، تو اس کو خود ان مدارس کو قائم کرنے کے لیے انتظامات کرنے چاہئیں، اور بلکہ اس کے لیے ضد کرنی چاہیے، اور اس کے لیے اس کو احکام جاری کرنے چاہیں، اگر ہمارے ملک میں یا کسی ملک میں یا یورپ و امریکہ کے کسی ملک میں بھی یہ حقیقت پسندی پیدا ہو جائے، اور انسان کے آغاز و انجام پر اس کی نظر ہو، اور آسمانی کتابوں پر اور آسمانی تعلیمات سے وہ واقف ہو، اور کم سے کم یہ سمجھئے کہ یہ

کی طرف سے بھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کے یہاں تشریف لانے کو قبول فرمائے، یہاں آنے والوں کو اجر دے، اور یہاں جن لوگوں نے ان کو احترام سے دیکھا، اور ان کی خدمت کو اپنا شرف سمجھا، اللہ ان کو بھی جزاً خیر عطا فرمائے، اور صرف یہ دارالعلوم دیا، اور شاید اس شر میں بھی ایک خیر ہو کہ اس ندوۃ العلماء نہیں بلکہ ہمارے مدارس سے لے کر مکاتب تک جو چھوٹی چھوٹی شاخیں ہیں، اور اضلاع میں، مضافات میں، دیہاتوں میں ہیں، وہاں بھی ان سب کی حفاظت فرمائے، اور ہمیں بھی چاہیے کہ ہم یہاں سے یہ عزم لے کر کے ٹکلیں کر ہمیں اس میں اور توسعہ کرنی ہے، اور اس کی تعداد بڑھانی ہے، اور ہمارے دارالعلوم کے طلباء اور فضلاء یہاں سے یہ عزم لے کر کے ٹکلیں کہ ہمیں مدارس قائم کرنے ہیں اور ان مدارس کو ترقی دینا ہے، اور اس کا کسی ایسے بڑے مدرسے سے ربط قائم کرنا ہے جہاں سے ان کو ہمنائی حاصل ہو سکے۔

☆☆☆☆☆

رکھیے، لیکن بہر حال ایسے مرکزوں کی ضرورت ہے۔ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اس ادارے کے خادم کی حیثیت سے، اپنی طرف سے بھی، اپنے رفقاء کی طرف سے بھی کہ خدا نے موقع دیکھا، اور ان کی خدمت کو اپنا شرف سمجھا، اللہ ان کو بھی جزاً خیر عطا فرمائے، اور صرف یہ دارالعلوم کی آبادی کا جہاں تک تعلق ہے، اس کا ان مدارس کے بارے میں جو نقطہ نظر ہونا چاہیے، تاثر ہونا چاہیے، اور فیصلہ ہونا چاہیے، اس کو بھی سامنے رکھ کر میں نے یہ بات کہہ دی کہ یہ مدارس نہ صرف مسلمانوں کے لیے ضروری ہیں بلکہ ملک کے لیے ہیں، کہ خطرے کا بھی احساس ہو اور اس کی حفاظت کے طریقے کی بھی تلاش ہو، اس کا بھی عزم ہو تو پھر بہت بڑی رو بڑی سلطنتوں اور رو بڑی وال تہذیبوں کو بھی اس وقت زندگی کی ایک قتلگئی ہے۔ میں اس اجلاس کو مبارک سمجھتا ہوں، اور وقت کا ایک بڑا ہم فریضہ اور تقاضا سمجھتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں اپنی طرف سے بھی اور آپ

مدادس نہ صرف مسلمانوں بلکہ ملک کے لیے بھی ضروری ہے
یہ بات میں نے ایک امت مسلمہ کے نقطہ نظر سے اور اس کی ترجمانی کرتے ہوئے بھی اور اس کا رابط بتاتے ہوئے بھی اور اس کے ساتھ ساتھ پورے ملک کی آبادی کا جہاں تک تعلق ہے، اس کا ان مدارس کے بارے میں جو نقطہ نظر ہونا چاہیے، تاثر ہونا چاہیے، اور فیصلہ ہونا چاہیے، اس کو بھی سامنے رکھ کر آدمیوں کو دیکھنا چاہتا ہے کہ آدمی آدمی کی طرح رہے، آدمی بھیڑیا نہ بن جائے، آدمی کتا اور سانپ اور بچھونہ بن جائے، تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس طرح کے مرکز چاہے ان کا نام آپ مدارس رکھیے، چاہے ان کا نام آپ کچھ اور رکھیے، کسی زبان میں

3ماہ Travel سرویس

عمرار السفریات لخدمات

Ammar Travel Service

HAJ UMRAH TOUR PACKAGES

پشا - 292 / 115خ، یو جی اے ف، شاپ نمبر 0-11، لاری ہائیٹ

نکھاں پولیس چوکی چاراہا، توریا گنج، لखنؤ - 226003

فون : 0522-4022190، موبائل 9807477549، 9415108674، 9335817579

EMAIL - ammartravelservice@gmail.com

WEB - www.ammartravelservice.com

اولاد کی تعلیم و تربیت

حضرت مولانا سید محمد رابع حسني ندوی

کہ بچپن میں نماز کی ادائیگی کی عادت پڑ جائے تو
زندگی بھراں کی عادت رہتی ہے۔

ایام طفولت کی فطرت و نفسیات ایسی ہوتی ہے
کہ گھر بیو زندگی کے جملہ مرحلیں میں اس کے گردو
پیش رونما ہونے والے واقعات اور اس کے

والدین اور خاندان کے اعمال و کردار اس کی زندگی
با قاعدہ مرحلہ وار انتظام کرنے کی ضرورت پیش آتی
پر بہت تیزی سے اثر انداز ہوتے ہیں، وہ سب
سے پہلے ہر دیکھی اور سنی چیز کو سمجھنا چاہتا ہے، اور جو
بھی اسے نئی چیز نظر آتی ہے اور بھاجاتی ہے اس کو
اس سے دلچسپی ہونے لگتی ہے، وہ اس دنیا میں نیا نیا
آتا ہے اور گرد و پیش کے امور کو اپنی زندگی میں پہلی
اس کی دلچسپی بھال کرتے ہیں، اور اس میں خاص طور پر
مرتبہ دلکھر رہا ہوتا ہے، تو اسے یہ دنیا اپنے نئے نئے
والدہ کا روں، بہت ہی اہم، گھر اور اثر انداز ہونے والا
اور خوشمنداناظر اور حالات کی بنا پر پسند آتی ہے، اور
ہوتا ہے، اس مرحلہ میں بڑی حد تک بچہ ایک گندھی
ہوتا ہے، جس میں بچہ کو گھر بیو
تلقیل و تربیت کے بعد داخل کیا جاتا ہے، اسے
بہاں زندگی سے متعلق ضروری معلومات سے
واثقیت اور انسانی زندگی کے طور طریق سے آگاہی
ڈھاننا ممکن ہوتا ہے، بالکل مٹی کے اس برتن کی طرح
جسے کمہار گیلی مٹی سے بناتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم
ان تمام چیزوں کو قبول کرنے کے سلسلہ میں اس کی
مثال پہلے مشاہدہ اور تاثر کی ہوتی ہے جو دل میں
قائم ہونے کے بعد دل و دماغ پر نقش ہو جاتی
ہے، اسی لیے والدین کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ
اس کو انسانی طریقہ پڑھالیں، اور اس کے ذہن و
دماغ میں اسلامی عقیدہ کو جمائیں، اور اس کی
تربیت سلوک و سیرت کے ٹھیک طریقہ پر کریں،
اس لیے کہ والدین عقیدہ کے جس بیچ کو اس کے
ذہن و دماغ میں بوئیں گے بچہ بھی شہزادی کے
تمام مرحلیں میں ان کا اختیار کرے گا۔

بچہ کی تربیت کے سلسلہ میں ماں کو سب سے
اعلیٰ مقام حاصل ہے، وہ بچہ کی ایسی اخلاقی تربیت
کر سکتی ہے جو زندگی بھر باقی رہے اور ماں ہی بچہ
سے زی سے پیش آنے اور اس سے محبت کرنے

اور ان جام دینے کے لیے اپنی حاصل شدہ صلاحیتوں کو
بروئے کار لا کر زندگی میں اپنا مقام بنانا ہوتا ہے۔
ان تینوں دائرہ ہائے کار میں سب سے زیادہ
اہمیت کی حامل اور بچے پر سب سے زیادہ اثر ڈالنے
والی چیز گھر بیو زندگی کا دائرہ عمل ہے، جس میں والدین
آتا ہے اور گرد و پیش کے امور کو اپنی زندگی میں پہلی
کیفیت کو بہت ہی سہولت کے ساتھ کسی سانچے میں
سلسلہ میں والدین کی وضاحت کو قبول کرتا ہے، اور
ان تمام چیزوں کو قبول کرنے کے سلسلہ میں اس کی
مثال پہلے مشاہدہ اور تاثر کی ہوتی ہے جو دل میں
صورت حال کے سلسلہ میں فرمایا: ”کل مولود
ذھاننا ممکن ہوتا ہے، بالکل مٹی کے اس برتن کی طرح
جسے کمہار گیلی مٹی سے بناتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے بچہ کی دینی
اصول زندگی سے آگاہ کرنا ہوتا ہے، یہ تعلیمی مرحلہ
کشادہ اور وسیع ہوتا ہے، اور اس میں انسان کے
قلب و دماغ کو خاص غذا فراہم کی جاتی ہے، اس
لیے اس کے نظام و نصاب کو مرتب کرنے میں
مسلمان کے اسلامی نقطہ نظر و اصول حیات کو
مناسب جگہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے، اسی مرحلہ
میں اس کی مکمل تربیت ہوتی ہے، اور آنے والی زندگی
کے مسائل کا مقابلہ کرنے کے لیے وہاں اس کو غذا
فرماہم کی جاتی ہے، تیسرا دائرہ عمل معاشرتی ہے،
جس میں اسکوں سے نکلنے کے بعد انسان پورے طور
کے سلسلہ میں سات سال کی عمر ہوتا اس کو سمجھا کر اس
کی ادائیگی کے لیے اور دس سال گزرنے پر نہ کرتے
پر داخل ہوتا ہے، اور وہاں اسے ثقافت و معاشرت
کے مسائل کا سامنا کرنا ہوتا ہے، اور اس کو حل کرنے

سلسلہ میں نبیوں، مجاہدوں اور غازیوں، فاتحین اور کے مقصد حیات اور اقدار سے دور نہ ہو سکے تعلیم گاہ میں پہنچنے کے بعد وہاں کے نظام اولیاء، صالحین کے قصے خاص طور پر مفید ثابت ہوتے ہیں اور کہانیوں میں اصلاحی پہلوؤں کو جاگر کرنے بہت اچھا ہوتا ہے، جن گھروں میں سونے سے قبل بچوں کو ان کے شوق کی کہانیاں سنائی جاتی ہیں تربیت طے کرتے ہیں، اس سلسلہ میں طلبہ کے وہاں اس اصلاحی پہلو کا خیال رکھنا بہتر سر پستوں کے کرنے کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ درس کا ہوں کے معاملہ میں بہتر سے بہتر انتخاب سے کام لیں، اور پھر اپنے بچوں کو وہاں داخل کریں، اس طریقہ سے تعلیم کی جواہیت ہے اس کے مطابق عمل درآمد کی صورت بنتی ہے اور یہ بات کسی بھی داشمند سے پوشیدہ نہیں کہ انسانی معاشرہ کی تشکیل میں باقاعدہ تعلیمی نظام کا لئنا بڑا حصہ ہوا کرتا ہے؟ اور صالح نسلوں کی تیاری میں اس کا کیا کردار ہوتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ بعض اہل علم اور تعلیمی اصول مرتب کرنے والے افراد نے بہت سے ملکوں کے اندر لوگوں کے لئے رجحانات کو بدلتے اور ان کے افکار و خیالات کو نیا رنگ دینے میں اس وقت سرخوبی حاصل کی جب انہوں نے اس مقصد کے لئے تعلیم کا سہارا لیا اور اس کو وسیلہ بنایا۔

تعلیم گاہوں کا کردار تین بنیادوں یعنی طالب علم، معلم اور نصاب تعلیم پر انجام پاتا ہے، جب ان میں کوئی بھی ناقص اور نامکمل ہوتا ہے تو مقصد کے حصول میں وہ کامیابی نہیں ہوتی جو ہونا چاہیے، لہذا کسی بہتر معاشرہ کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ ان تینوں بنیادی چیزوں کی درستگی کا اہتمام کیا گیا ہو۔ نصاب تعلیم طالب علم کے لیے غذائی انتظام کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ زبان و ادب اور سماجی علوم میں تو خاص اہتمام کی ضرورت ہے، بہر حال نصاب تعلیم کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اخلاقی بگاڑ اور گمراہیوں کے اثر سے پاک و صاف تیار کیا جائے، اس

کے مقصد حیات اور اقدار سے دور نہ ہو سکے تعلیم گاہ میں پہنچنے کے بعد وہاں کے نظام کے سلسلہ میں اصل ذمہ داری اصلاحی اداروں کے ہر ناز و خرے کو بر وحشی قبول کرے۔ ماں کے تربیت طے کرتے ہیں، اس سلسلہ میں طلبہ کے ہر ناز و خرے کو بر وحشی قبول کرے۔ ماں کے سر پستوں کے کرنے کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ درس کا ہوں کے معاملہ میں بہتر سے بہتر انتخاب سے کام لیں، اور پھر اپنے بچوں کو وہاں داخل کریں، اس طریقہ سے تعلیم کی جواہیت ہے اس کے مطابق دعا نیں یاد کرنا اور پھر ان کا تنکار و اعادہ اور ان سے سوال و جواب بھی فائدہ بخش ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ بچوں کے سامنے کوئی ایسی بات نہ کریں جو انہیں اپنے اخلاق سے دور کر دے، اور جو حیا کے منافی اور عزت و شرافت سے الگ ہو کیونکہ بچے بھی اپنے والدین کی جانب سے صادر ہونے والے ہر قول و فعل کو خواہ اچھے ہوں یا بے، ہر حال میں قبول کر لیتے ہیں، اور والدین کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ بڑی باتوں سے اجتناب کے پہلوؤں کو واضح کریں، اور ان سے باز رکھنے کے لیے بچوں کے سامنے سلف صالحین کے مثالی و اعقات پیش کریں۔

اسی رویہ سے بچہ بھی ماں سے ہٹنی اور جذباتی لحاظ سے بھی وابستہ ہو جاتا ہے، اور اس کی بات کو ماننے سے بر گشته نہیں ہوتا، اور یہ بات اس کی تشکیل و تربیت میں اہم کردار انجام دیتی ہے، کتابوں میں بعض اہم شخصیات نے جب اپنی شخصیت سازی میں اہم کرداروں اور عوامل کا ذکر کیا تو اس میں بچپن میں اپنی ماں سے جو کچھ انہوں نے حاصل کیا تھا اس کا بطور خاص تذکرہ کیا ہے کیونکہ ان کا تاثر سب سے زیادہ اپنی ماں سے ہوا، اور معاشرہ کی تہذیب و ثقافت کی حفاظت میں بھی ماں کا بہت اہم کردار ہوتا ہے، وہ اس گھر کی مالکہ ہوتی ہے جس میں انسانی نسل پر وان چڑھتی ہے پھر اس کو مستقبل میں زندگی کے مسائل سے دوچار ہونا ہوتا ہے ان میں اسی روں کے تاثرات سے روشنی ملتی ہے۔

اسلامی تاریخ میں مسلمان ماں نے روشن کارنا سے انجام دئے ہیں، جب ہم اسلامی شخصیات پر غور کرتے ہیں تو ہم ان میں اکثر کی ماں کو عزم وہمت کی بلند چوٹی پر پاتے ہیں، اور بہت سی عظیم شخصیتوں نے ان کا باقاعدہ تذکرہ و تاثر بھی کی ہے۔ بچوں کو وہ کہانیاں بہت پسند ہوتی ہیں جو عجیب و غریب باتوں اور واقعات پر مشتمل ہوں، وہ ان کو سننے کے مشთاق و بے چین رہتے ہیں، چنانچہ ذہین والدین بچوں کے دینی عقیدہ کی تعمیر اور اخلاقی و معاشرتی تصورات کی تشکیل کے نبیا مضمبوط کر کے تاکہ اس آگے کے مرحلہ میں اولاد کو تدوادر بے جہتی کی رغبت اور خواہش سے پورا فائدہ اٹھاتے ہیں، اس

ہماری مطبوعات

☆ عمدہ کاغذ ☆ بہترین طباعت ☆ خوبصورت سروق

125/=	تاریخ الادب العربي (الاسلامی)	۱۲
70/=	تاریخ الادب العربي (الجاحظ)	۱۵
50/=	مقدمہ شیخ عبدالحق دہلوی	۱۶
16/=	اسلام کی تعلیم	۱۷
150/=	تفہیم امنطق	۱۸
20/=	مبادی علم اصول الفقه	۱۹
200/=	سوائی صدریار جنگ	۲۰
150/=	مخترک من صفتہ الصفوۃ	۲۱
55/=	شرح العقیدۃ الطحاویۃ	۲۲
60/=	اصول الشاشی	۲۳
100/=	علم اصول الفقه	۲۴
150/=	حیات عبدالباری	۲۵
170/=	تاریخ ندوۃ العلماء (اول)	۲۶
180/=	تاریخ ندوۃ العلماء (دوم)	۲۷

70/=	زعیمان الحركة الاصلاح	۱
200/=	روداد چمن	۲
160/=	الصحافة العربية	۳
60/=	تمرین الصرف	۴
60/=	رسالة التوحید	۵
165/=	دیوان الحماسة (اول)	۶
165/=	دیوان الحماسة (دوم)	۷
350/=	فتاویٰ ندوۃ العلماء (اول)	۸
400/=	فتاویٰ ندوۃ العلماء (دوم)	۹
400/=	فتاویٰ ندوۃ العلماء (سوم)	۱۰
15/=	مخترک اشعار العربي (اول)	۱۱
18/=	مخترک اشعار العربي (دوم)	۱۲
20/=	العقیدۃ السنية	۱۳

ملنے کے پتے :

9889378176

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

8960997707

مکتبہ ندویہ، احاطہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

9415912042

مکتبہ اسلام، امین آباد، گوئن روڈ، لکھنؤ

9198621671

مکتبہ علمیہ، شباب مارکیٹ ندوہ روڈ، لکھنؤ

9936635816

مکتبہ الفرقان، نظیر آباد، لکھنؤ

ایک ضروری اعلان: بعض ناشرین کتب نے مجلس صحافت و نشریات کی کتابیں غیر قانونی طور پر بچ رکالی ہیں، اس لیے قارئین سے گزارش ہے کہ مجلس کی جلدی وغیرہ درستی کتابیں درج بالا مکتبوں ہی سے خریدیں اور بذریعہ ڈاک بھی طلب کریں، مادر علمی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ساتھ آپ کا یہ نہیت خلاصہ تعاون ہو گا۔

ناشر مجلس صحافت و نشریات

ٹیکوور مارگ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

اور صاحب اسلامی معاشرہ کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کے مطابق نصاب تعلیم مرتب کیا جائے جو اپنے پڑھنے والوں اور ان کے سرپرستوں کے تصور و عقیدہ سے نیز ان کے اس معاشرہ کے حکم نظر اور قدروں سے ہم آہنگ ہو، جس میں طالب علم سانس لیتا اور اپنے شب و روز گذارتا ہے۔

اکثر تعلیمی نقطہ ہائے نظر جو اس دور میں یورپ میں مرتب ہوئے اور مشرق میں بھی جنہوں نے اپنی افادیت کا سکھ جایا، ان میں سب نے آزادی خیال کو اپنے تعلیمی نظریہ کی بنیاد تباہی، ان میں سے پیشتر نے مذہب کی بالادتی اور زندگی کے میدان میں اس کی رہنمائی کو مسترد کر دیا ہے، وہ انسان کے لیے اخلاقیات کی پابندی کو بھی قبول نہیں کرتے، بلکہ ان کو آزاد چھوڑ دینا چاہتے ہیں، لیکن مسلمان طالب علم کا معاملہ مختلف ہے، اس کے لیے مقصد اور طریقہ کار دنوں کا ہی نیک اور مفید ہونا ضروری ہے اور اس کو اخلاقیات کا بھی پابند ہونا ہے۔

مسلمانوں کا نصاب تعلیم تین قسم کے موضوعات پر مشتمل ہوتا ہے، ان میں ایک قسم طبیعیاتی اور ان سے متعلقہ علوم کی ہے، دوسرا قسم زبان و ادب اور سماجی علوم کی ہے، تیسرا قسم اخلاقی و مذہبی علوم کی ہے، جو نصاب بنایا جائے گا اس میں ان تینوں قسموں کا اشتراک رکھنا ہو گا، اس لیے کہ انسانی زندگی کی تشکیل میں یہ تینوں اپنی اپنی جگہ پر اثر ڈالنے اور کام کرتے ہیں۔

الغرض معاشرہ کی اصلاح و تربیت کے میدان میں تعلیمی نظام کا بڑا ہم کردار ہوتا ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اس کے اندر اسلامی معاشرہ کی بہتر اور متوازن زندگی کے تمام پہلوؤں کی رعایت کی جائے۔



لحہ فکریہ

کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت

مولاناڈاکٹر سعید الرحمن عظیٰ ندوی

کے لیے ہمیں بہت پیچھے لوٹنا چاہیے، اور اس معاشرہ کو بروئے کارانا چاہیے جو اس نظام کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اور جو واقعی اور عملی زندگی میں اس سے مستفید ہونے کے جذبات سے معمور ہو، ان کے نزدیک موجودہ تہذیب اور عصر حاضر کی ثقافت

علوم کا سیالاب بلا خیر اپنے گرداب سے نکلنے کی کوئی گنجائش نہیں رکھتا، وہ کہتے ہیں کہ اس گریز پاترقی کے دور میں صرف اتنا کر لینا کافی ہے، کہ نظریاتی طور پر آپ مذہب کو مانیں اور اس کی قابل عمل تعلیمات پر عمل کر لیں، ان کے نزدیک ایسے زمانہ میں نمازو روزہ اور دیگر فرائض کا پورا کر لینا ہی بہت بڑا دینی کام ہے، بلکہ عصر حاضر کا سب سے بڑا جہاد ہے۔

بہی وہ نکست خودہ ذہنیت ہے جو مغرب کی تہذیب، اس کی ترقیوں اور اس کی مادی پیش قدیمیوں سے مرعوب ہے، جو کسی حال میں اس کے بال مقابل آنے کی روادرانہیں، وہ مغرب کو ترقی کے اس نقطہ عروج پر تصور کرتی ہے جس کے بعد کوئی منزل نہیں، اور جو صرف قیادت کی منزل ہو سکتی ہے جس کے سامنے ساری مذہبی، اخلاقی اور انسانی قدریں بازمی پڑھ اطفال بن کر رہ جاتی ہیں۔

دوسرابھہ جو تمام اسلامی اور غیر اسلامی ملکوں میں جہاں بھی مسلمان موجود ہیں وہ ہے، جس نے حالات کے سامنے سپرڈاں دی ہے، اور اس کا خیال ہے کہ موجودہ دور میں مادیت، الحاد، اور تمام شیطانی طاقتیں اس قدر طاقتور ہو چکی ہیں کہ ان کے سامنے نہ ہب ایک ضعیف اور مغلوب الحال نظریہ بن کر رہ گیا ہے، اور جس کے لیے مسجد کے گوشوں، یا اذان کے مناروں یا ناطبہ جمعہ کے منبروں یا بعض مذہبی رسمی تقریبات سے آگے نکلنے کی اجازت نہیں ہے، وہ نہ ہب کو زندگی کے لیے لازم، اس کی تعلیمات کو منتشر اور امت کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دینے کے لیے کافی ہے، اس کا خیال ہے کہ اسلامی نظام کو برپا کرنے کے

ایم اسلامیہ آج جس نازک دور سے یہ اگرچہ بہت سے نغمگسار ان ملت اور ہمدردانہ گذر رہی ہے وہ اس امت کی تاریخ میں بہت اہم امت اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کام کر رہے ہیں اور تشویشاں کا مرحلہ ہے، مسلمان جہاں بھی پائے جاتے ہیں خواہ وہ عالم اسلام ہو یا غیر اسلامی ممالک، ہر جگہ وہ من جیت القوم کمزور، پس ماندہ، مظلوم اور زخم خور دہ ہیں، ان کی حالت اس نکست خودہ کی ہی ہے جو میدان جنگ سے پسپا ہو کر لوٹے اور ہمیشہ کے لیے اس پر ذات و مکتری کا احساس مسلط ہو جائے، جس ملک کو آپ چاہیں دیکھ لیں اور جس علاقہ پر چاہیں نظر دوڑاں سب سے زیادہ کمزور اور مغلوب صرف مسلمانوں کا طبقہ ملے گا، شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک جہاں چاہیے مسلمانوں کی مغلوبیت، ان کی مظلومیت، ان کے احساس کہتری کی داستان تازہ سن اور پڑھ لیجے۔

لیکن آج اس ترقی یافتہ دنیا میں ہم نے اپنا مقام سب سے پیچھے رکھا ہے، ہم مادہ پرست قوموں کے غلام بن کر زندگی گزارنے میں فخر محسوس کرنے لگے ہیں، ہم اس خالص مادہ پرست تہذیب کی تقلید اور خوشہ چینی کو ترقی اور تمدن کی علامت سمجھنے لگے ہیں، ہم نے یہ طے کر لیا ہے کہ اس دنیا میں زندہ رہنے کے لیے ان قوموں کی اتباع و تقلید وقت کا ایک اہم ترین فریضہ ہے اور مصلحت کا تقاضہ ہے۔

تعلیم یافتہ مسلمانوں کا ایک طبقہ وہ بھی ہے جو اپنے مذہب کی غیرت اور اس کا احترام اپنے دل میں رکھتے ہوئے موجودہ دور میں اسلامی نظام حیات کو ناکافی اور اس کی تمام تعلیمات کو ناقابل عمل تصور کرتا

یہ صورت حال ہے جو مسلمانوں کے لیے نہ صرف تشویشاں بلکہ ملت کے شیرازہ کو بالکل منتشر اور امت کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دینے کے لیے کافی ہے، اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے

مسلمانوں کو کمزور اور مغلوب، ذلیل و خوار، کمزور و ناتوان اور شکست خور دہ بنا نے کے لیے بہت کافی تھی، چنانچہ اس کا عمل یہ ہوا اور برابر ہوتا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کی یہ ظیم اور غالب امت صرف کمزور اور مغلوب ہی نہیں ہے، بلکہ احساسِ ذلت و رسوانی کے ایسے بوجھ کے نیچے دبی ہوئی ہے جس نے اس کو ہر بلندی اور پیش قدمی سے محروم کر کھا ہے، اور جس سے ظاہر (جب تک یہ صورت حال اور طرزِ عمل قائم رہے) نجات کی کوئی توقع بھی نہیں ہے۔

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چڑاغ سے میں نہیں سمجھتا کہ امتِ اسلامیہ کی موجودہ مغلوبیت و مظلومیت کی اور طرزِ عمل کا نتیجہ ہے، بلکہ اسی طرزِ عمل نے اس کو انجام تک پہنچا دیا کہ دس کروڑ مسلمانوں کی ۲۲ ربیعی بڑی حکومتوں نے مل کر بھی تھا ایک معنوی تعداد کھنہ والی ذلیل قوم یہود کو جوان کے ملک میں دخیل اور جارح قوم تھی جو ہر چہار جانب سے انہیں حکومتوں سے گھری ہوئی تھی، صرف اس کو بھی یہ ساری حکومتوں ایک آواز اور ایک جسم ہو کر زیر نہ کر سکیں، بلکہ شکست کھا کر اور جان دمال اور رقبہ تھی کہ مسجدِ اقصیٰ جیسی مقدس یادگاروں تک کا عظیم تر خسارہ برداشت کر کے واپس آگئیں۔

اسی طرزِ عمل کا انجام ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی تعلیمات و شعائر، اور اس کی روح سے بالکل کٹ چکا ہے، اور اس نے وہ کردار ادا کرنا شروع کر دیا ہے جو وقت کی سب سے ذلیل و کمزور اور پست ہمت قوم ادا کرتی ہے، اور جو قوم قیادت و امامت کا خداداد منصب لے کر آئی تھی وہی آج اپنے زمانہ کی پیروں اور مقلد ہے، اقبال نے پہلے ہی کہا تھا۔

کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیدا

کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، بھی وجہ ہے کہ اس کو کچلنے اور آوازِ حق کو خاموش کر دینے کے لیے تمام حکومتوں متحد ہیں خواہ وہ مسلم ممالک کی حکومتوں ہوں یا غیر اسلامی ملکوں کی حکومتوں، حد تو یہ ہے کہ اس طبقہ کو پسپا کرنے کے لیے ان حکومتوں نے صرف آتش و آہن کی مدد پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اپنے رعایا کے تمام مسلمان افراد کو ان کی خلافت کرنے اور ان کا خاتمہ کرنے پر آمادہ کیا۔

گویا اسلام کو مسلمانوں ہی کے ہاتھوں کمزور کرنے اور اس کے تناول درخت کو جڑ سے اکھاڑ چینکنے کے لیے انہیں کے افراد کو استعمال کیا گیا اور دین کی خلافت نام نہاد دین سے، اسلام کی خلافت مصنوعی اسلام سے، اور اسلامی قدرتوں کی خلافت مصنوعی مذہبی قدرتوں سے کی جانے لگی، ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کو، ایک جماعت دوسری جماعت کو، ایک شخص دوسرے بزرگ کو نقصان پہنچانے کے لیے اس طرح آمادہ ہو گیا کہ گویا وہ کوئی بہت مقدس اور کوئی بہت عظیم اسلامی مہم انجام دے رہا ہے، جس سے غفلت برتنے پر آخرت میں اس کو جوابدہ ہونا ہو گا۔

یہ ہے وہ تین حقیقت، جو آج مسلمانوں کے معاشرہ میں ہر جگہ موجود اور محسوس ہے، کہیں بڑے پیلانے پر، کہیں حکومتوں کی سر پرستی میں اور کہیں جماعتوں کی سر پرستی میں، کہیں ذاتی بغض و عناد کے جذبات کام کر رہے ہیں تو کہیں جاہ و منصب کی حرص وہوں اپنی کنڈیں پھیلائی ہے۔

اس افسوس ناک حقیقت سے بھی انکار کی کوئی کچھ اش نہیں کہ اسلام دشمن طاقتوں اور اس کے خالفین کو اس طرزِ عمل سے بہت شہ ملی، انہوں نے خواہ اس موقع کو فتح میں سمجھا ہو، یا کوشش کر کے یہ موقع پیدا کیا ہو، جو صورت حال بھی ہو، بہر حال وہ

کا اعتراض کرتے ہوئے حالات کے سامنے اپنے آپ کو مجبور تصور کرتا ہے، اور اپنی ذاتی زندگی تک اسلام کے محدود رکھنے کو بہت کافی سمجھتا ہے۔ لیکن اس بگڑی ہوئی دنیا اور ترقی کے آخری نقطہ تک پہنچی ہوئی اس تہذیب کے دھاروں میں ایک طبقہ وہ بھی موجود ہے جو ہر حال میں اسلامی نظام کو قابل عمل اور اسی کو انسانیت کے سارے دکھ درد کا علاج تصور کرتا ہے، وہ حالات سے نبرد آزمہ ہونے کے لیے ان تمام تدبیروں اور وسائل کو بروئے کار لاتا ہے جن کی اسلام اجازت دیتا ہے اور اس کے لئے بہت افزائی کرتا ہے۔

یہاں داعیوں اور داعینہ جذبہ رکھنے والے افراد کا طبقہ ہے جو اسلام کی صحیح فہم اور اس کے صحیح مشاہد و سے واقف ہے، وہ یقین رکھتا ہے کہ دنیا کا سارا بگاڑ، ساری خرایاں اور ہر طرح کی برا یکوں، اور فسادات کا سرچشمہ مذہب سے بے تعلقی ہے اور اس خدا بیزار تہذیب کا نتیجہ ہے جو آج ساری دنیا پر مسلط ہے۔

بھی وہ طبقہ ہے جو مادہ پرست حکومتوں، اور ان کے پیچھے چلنے والی تمام حکومتوں کی نظر میں انہیانی مبغوض اور گردان زدنی ہیں، یہ پر جوش اور ایمان و عمل کے جذبہ سے لبریز وہ افراد ہیں جو اسلام کی حقانیت، اس کی ابدیت، اس کی یہ گیریت اور اس کے بلند تصورات پر پختہ ایمان رکھتے ہیں، جو منکر کو دیکھ کر خوش نہیں رہ سکتے، جو گناہوں کو فروغ پاتے ہوئے دیکھ کر تغافل نہیں بر ت سکتے، جن کی آخری تمنا اسلام کی سر بندی ہے، جو ایمان کی زندگی اور خدا و رسول کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے والے حلقة کو سچ کر کے زندگی میں اللہ کے قانون کو نافذ ہوتا ہوادیکھنا چاہتے ہیں اور وہ ہر مرض کا علاج اسلام اور صرف اسلام کو سمجھتے ہیں۔

اس طبقہ کا وجود آج کی ہر حکومت اور ہر اقتدار

یورپ بیداری سے پہلے

مولانا سید محمد واضح رشید حسینی ندوی

”پرانی دنیا گیارہوں صدی عیسوی میں دو حصوں میں منقسم تھی، مغرب اور مشرق، مغرب چھوٹے چھوٹے ہے جیشیت شہروں پر مشتمل تھا جہاں کسانوں کی جھونپڑیاں اور بے حکم گھر تھے، قلعوں کی تعمیر میں کسی فنی اصول کی رعایت مخوض نہ

تھی، اور اسی میں پالتو جانوروں کو بھی شہرا تھے، وہاں نہ سڑکیں تھیں، نہ نالیاں اور نہ ہی چراغ اور نہ رہنمی و قزاقی کے خوف سے دس قدم بھی چلانا دو بھرتا، دوسرا طرف مشرق میں قسطنطینیہ، قاہرہ،

ماحتی میں ہزار سالہ مدت ایک ان پڑھ قوم کی دشمنی بغداد کے سے عظیم الشان آباد پر رونق شہر

تھے، جو اپنے حسن و لکشی اور جاذبیت دلبرائی

میں الف لیلائی دنیا کے شہر معلوم ہوتے، یہاں قیمتی پتھروں اور سنگ مرمر کے مکانات تھے، مساجد و مدارس، اسکول، تربیتی مرکز اور خانقاہوں کی کثرت تھی، بڑے بڑے پُرونق بازار تھے، جگہ جگہ وسیع اور سایہ دار باغات کا انتظام تھا، نظام آب پاشی تھا، جس کی وجہ سے کھیتیاں اور باغات سر سبز و شاداب تھے، تجارت شباب پر تھی، تاجر نہایت اطمینان کے ساتھ اپین سے ایران تک کا سفر کرتے تھے۔

سینیو بوس (Sanyo Boss) کہتا ہے:

”عالم اسلام اور پیر ناطق دنیا مغربی دنیا سے خوشحالی، حسن نظام اور روشی علم وہنر میں ممتاز اور فاقت تھے، خود نصرانی اپنے اندر تہذیبی و تہذیبی نفس اور کمی محسوس کرتے تھے اور مشرق کی علمی و تہذیبی ترقی سے بہوت تھے، ان میں جس کو پڑھنے کا شوق ہوتا اور اس پر زوال کی مہر لگ پچکی تھی، وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ وبار لایا، اور گزشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہنچ گیا تھا جیسے اٹلی، فرانس، وہاں تباہی، طوائف اسلو کی اور ویرانی کا دور دورہ تھا۔“

سے داخل ہوئے۔

پانچویں صدی ہجری میں جب صلیبی مشرق

یورپ مسلمانوں کو جاہل و ناخواندہ قوم ہونے کا طعنہ دیتا ہے اور اس کی ذمہ داری اسلام پر ڈالتا ہے، حالانکہ یہ وہی یورپ ہے جس نے میسیحیت کی روشنی کا کوئی سامان۔

مورخ ڈریپر John (Draper) کہتا ہے:

”یورپ میں جہالت کا دور دورہ تھا، ادھام و خرافات کی حکمرانی تھی، علاج و معالجہ سب مقدس مقامات کی زیارت پر مختصر رہ گیا تھا، فن طب مردہ ہو چکا تھا، جو گیوں اور شعبدہ بازوں کی دکانیں

ہو چکا تھا، جو گیوں اور شعبدہ بازوں کی دکانیں چکا تھیں۔“

راہبٹ بریفالٹ Robert (Briffault) کہتا ہے:

”پانچویں صدی سے لے کر دوسریں صدی تک یورپ پر گھری تاریکی چھائی ہوئی تھی، اور یہ تاریکی تدریجیاً زیادہ گھری اور بھیا نک ہوئی جا رہی تھی، اس دور کی وحشت و بربریت زمانہ قدمی کی وحشت کے بنائے جاتے تھے، مہلک امراض اور بائیکیں

کے بیانے کیا تھیں، انسان جانوروں سے بھی گیا گرا تھا، سردار قوم بھی اپنی پوری فیملی کے ساتھ ایک چھوٹے جھونپڑے میں رہتا تھا۔

پورا یورپ اس وقت گھنے جنگلات پر مشتمل تھا، زراعت و کاشتکاری نہ ہونے کے برابر تھی، خانہ جنگلی، قتل و غارگیری اور لوٹ کھسٹ کا بازار گرم تھا، پیرس اور ولندر میں مکانات گھاس پوس کے ہوتے تھے، جن میں نہ کھڑکیاں ہوتیں اور نہ کمرے، بسترا اور چٹائی کا وجود نہ تھا۔

مرد، خواتین اور بچے غرض پوری فیملی ایک چھوٹے اور ننگ و تاریک کر کرہ میں رات گزارتی کتاب ”تاریخ عام“ میں لکھتا ہے:

میکس پی (Maxime Petit)

اپنی

سرقند و بخاری سے لے کر فارس اور قرطبه تک لوگوں میں پڑھنے لکھنے کا عام چلن ہو گیا اور تعلیم و تعلم محبوب مشغله بن گیا، نظام الملک طوی نے ایک سال میں بغداد کے مدرسہ نظامیہ کی تعمیر و ترقی میں دوسوہ زار دینا خرچ کیے، اس میں پڑھنے والوں کی تعداد چھ ہزار تھی۔

Gustave le Bon

لکھتا ہے:

”یورپ میں جہالت و ناخواندگی کی تاریکی طویل عرصہ سے چھائی چلی آ رہی تھی، گیارہویں بلکہ بارہویں صدی عیسوی میں علم کی طرف کچھ میلان شروع ہوا، جب بعض روشن دماغ یورپیں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ جہالت کے کافی کوئی انتار پھینکا جائے، تو عربوں کا رخ کیا اور ان سے کسب فیض کیا، اس لیے کہ عرب ہی اس زمانہ میں علم و فن کے رہبر و سرچشمہ تھے۔“

”۱۳۰۰ء میں پادریوں کے سربراہ ریموڈل کی گنگانی میں دارالترجمہ قائم ہوا، جس نے مشہور عرب مصنفوں کی تصنیفات لاطینی زبان میں منتقل کی، اس کے بعد عربی سے لاطینی اور یورپ کی دیگر زبانوں میں ترجمے شروع ہوئے، اس طرح یورپ ایک نئی دنیا سے روشناس ہوا، لاطینی زبان میں صرف رازی، ابوالقاسم اور ابن رشد، ہی کی تصنیفات ترجمہ نہیں ہوئیں، بلکہ یونانی حکماء اور فلاسفہ مثال کے طور پر جالینوں، بقراءات، افلاتون، ارسطو، اور بطیموس کی وہ کتابیں بھی لاطینی زبان میں منتقل ہوئیں، جن کو مسلمانوں نے اپنی عربی زبان میں منتقل کیا تھا۔“

ایک انگریز مورخ کے مطابق مغرب نے تحصیل علم کا ذوق و شوق عام ہو گیا، اور اس طرح صرف طب میں ۳۰۰ کتابیں عربی سے لاطینی

علوم و فنون، ادبیات، فلسفہ، حرف و صنعت اور زندگی کے دیگر میدانوں میں امت اسلامیہ رہبری کر رہی تھی، بغداد، سمرقند، بصرہ، دمشق، قیروان،

مصر، ایران، غربناطہ اور قرطبه علم و معرفت کے عظیم مراکز تھے، مملکت اسلامیہ میں چھوٹے چھوٹے

مدرسے اور مسجدیں بھی بڑے بڑے کتب خانوں

سے معمور تھیں جہاں ہر شخص کو پڑھنے کی اجازت

تھی، جبکہ یورپ کے مرکزی شہر دیپاً توں کی طرح تھے جہاں نہ تو علم تھا اور نہ آبادی، یورپ مادی، ادبی، تہذیبی اور علمی ہر اعتبار سے بڑا پسمند تھا۔“

ایک انگریز مورخ کہتا ہے:

”اسلامی انگلیس میں اس وقت گھر گھر علم کا چرچا تھا جب کہ مسیحی دنیا میں بھر چند افراد کے کوئی لکھنا پڑھنا نہ جانتا تھا۔“

Robertson (Robertson) لکھتا ہے:

”پندرہویں صدی عیسوی کی ابتداء میں

انگلیس کے بہت سے شہر یورپ کے باقی شہروں سے زیادہ آباد اور مالا مال تھے، عربوں نے اپنے دور حکومت میں اپنے زیر اثر شہروں میں کارخانے اور ائمہ ستریاں قائم کیے۔“

مسلمانوں کے ملک علمی و تعلیمی اداروں سے آباد تھے، جہاں اہل علم کا انتخاب مذہب کے بجائے ان کی علمی صلاحیت اور ان کے اختصاص کی بنیاد پر ہوتا تھا۔

Gibben (Gibben) لکھتا ہے:

”صوبوں کے مسلمان گورنر اور وزراء علم اور اہل علم کی خدمت، اکرام، اسکولوں، تعلیمی اداروں کی دیکھ بھال اور نادار طلبہ کی کفالت میں امراء اور

باڈشاہوں سے مقابلہ کرتے تھے، اس تنافس سے

ایک انگریز مورخ کے مطابق مغرب نے

میں داخل ہوئے اور مسلمانوں کے متمدن اور منظم شہر دیکھنے تو ان کی حیرت کی انہانہ رہی۔

غلیفہ عباسی ہارون الرشید کا معاصر یورپی شہنشاہ اعظم شارلمان جس وقت ناخواندگی اور جہالت کی تاریکی میں تھا، عرب علماء بغداد اور قرطبه میں فلسفہ،

علوم و فنون اور ادبیات کے میدان میں نئے نئے گوشے واکرہ ہے تھے، ناد تحقیقات پیش کر رہے تھے، اور یونانی، کلدانی، پہلوی اور عبرانی زبانوں

سے علوم عربی زبان منتقل کیے جا رہے تھے، عباسی غلیفہ منصور کے لیے عجمی زبان سے عربی میں ترجمے کیے گئے، ارسطو طالیس کی منطق، ہندسہ، فلکیات

کے موضوع پر کتابوں کا ترجمہ کیا گیا، یونانی، پہلوی، فارسی اور سریانی زبانوں سے قدیم کتابوں کے کو عربی میں منتقل کیا گیا، یہ کتابیں عام لوگوں کے سامنے پیش کی جاتیں تو وہ ان کو حاصل کر کے ان

کے مطالعہ میں غرق ہوجاتے۔

یورپی امراء و سلاطین میں جہالت اور ناخواندگی کے عموم کی وجہ سے ان میں بربریت و درندگی غالب تھی، وہ قیدیوں کو قتل کر دیتے، عورتوں کی آنکھیں پھوڑ دیتے، ان کی ناک کان کاٹ لیتے، درندگی اور قساوت قلبی کی یہ حالت چودھویں اور پندرہویں صدی عیسوی تک قائم رہی، وہ معمولی معمولی بات پر سالہا سال لڑتے رہتے، ان کا مقصد زندگی صرف اور صرف لوٹ کھوٹ تھا، تاجریوں کو سرراہ رک لیتے، ان کو قیدی بنا لیتے اور ان کو سخت ایزیت پہنچاتے۔

Dozy (Dozy) لکھتا ہے:

”یورپ میں لوگ جہالت کی تاریکی میں سرگردان تھے، انہیں کہیں روشنی نظر نہیں آ رہی تھی، روشنی تو صرف مسلمانوں کی طرف سے آ رہی تھی،

وہ یورپ میں (۱۳۹۸ء-۱۸۶۶ء) چالیس مرتبہ پاس سترے کرتے خانے تھے جن میں بڑی قیمتی اور طبع ہوئی، اس میں نقرس، پھری، مشانہ، گردے نادر کتابیں تھیں۔“

یورپ نے جب علم کی تلاش شروع کی تو سب یورپ کے امراض کے متعلق بحث کی گئی ہے، اور یہ اپنے موضوع پر جدت اور مرجع کی حیثیت سے پہلے اندرس کا رخ کیا جہاں قرطہ، طلیطلہ اور رکھتی ہے۔

بلنسیہ میں عظیم یونیورسٹیاں قائم تھیں۔

ناخواندگی اور جہالت کی یہ گھٹاٹوب تاریکی دسویں صدی عیسوی تک قائم رہی، مسلمانوں سے دسویں صدی عیسوی تک قائم رہی، مسلمانوں سے استفادہ کے بعد ہی ان میں علم و تدبیان کا رواج ہوا۔

یورپ کی تاریخ کا سب سے مشکل اور تاریک دور دسویں صدی عیسوی ہے جس میں ارباب کلیسا اور اہل علم کے درمیان شدید کشمکش جاری تھی، سیکھوں اہل علم کو کلیسا کے معاذانہ رویہ کی وجہ سے تختہ دار پر چڑھا دیا گیا، اٹلی، فرانس، اپین، اور جرمی میں عقاوہ و تعلیم کی چھان بین کے لیے تحقیقات پر کلی اعتماد کیا ہے۔

Courts of Inquisition (Inquisition) قائم کی گئیں، اور ارباب علم و داش کو کفر و الحاد کے الزام میں گرفتار کر کے سفا کانہ سزا نیں دی گئیں، ایک محتاط اندازہ کے مطابق جو لوگ ان عذالتوں کی بھینٹ چڑھان کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ جن میں بتیں ہزار کو زندہ جلا دیا گیا۔

ڈرپپرنے لکھا ہے:

Sylvestre ”فرانسیسی سلووستر دوم (Sylvestre) (۱۰۰۳ء-۱۹۳۰ء) جو یورپ کے کسی شہر میں ایک کلیسا میں تھا ایک مرتبہ اندرس (اپین) گیا اور اشبيلیہ اور قرطہ میں قیام کیا اور عرب علماء و حکماء سے حساب اور سائنس کا علم حاصل کیا، جب وہ سائنس اور دیگر علوم سیکھ کر وطن واپس آیا تو لوگوں میں ایک کتاب بھی ملنی مشکل تھی، جبکہ دوسری نے اس کو ساحر (جادوگر) خیال کیا، اور بعض حکمرانوں نے اس کو اپنے بچوں کا انتیق مقرر کیا،

وہ یورپ میں (۱۳۹۸ء-۱۸۶۶ء) چالیس مرتبہ طبع ہوئی، اس میں نقرس، پھری، مشانہ، گردے نادر کتابیں تھیں۔“

یورپ نے جب علم کی تلاش شروع کی تو سب سے پہلے اندرس کا رخ کیا جہاں قرطہ، طلیطلہ اور بلنسیہ میں عظیم یونیورسٹیاں قائم تھیں۔

آگے لکھتی ہیں:

”اگر ہم یہ کہیں تو اس میں کوئی تجنب اور حریت کی بات نہیں کہ یورپ نے تقریباً تین سو سال تک صرف اور صرف عربوں کی ہی تصنیفات اور تحقیقات پر کلی اعتماد کیا ہے۔“

مسیو لیٹری لکھتے ہیں:

”اگر تاریخ میں عرب منصہ شہود پر نمودار نہ ہوتے تو علوم و فنون اور تہذیب و تدبیان میں یورپ کی بیداری کی صدی اور موخر ہو جاتی۔“

خود اہل مغرب نے اس کا اعتراض کیا ہے، اور بیداری سے پہلے اپنی علمی محرومی اور تعلیمی سپمانگی کا تذکرہ کیا ہے، اسی وجہ سے اس زمانہ (۵۰۰-۱۵۰۰ء) کو ”تاریک دور“ (Dark Age) شمار کیا ہے، ایک انگریز مورخ لکھتا ہے:

”گیارہویں صدی عیسوی میں جس وقت

مغرب کے بڑے بڑے روساء اور جا گیر داروں کو

اپنی جہالت اور ناخواندگی پر خر و ناز تھا، اس وقت

اپین میں مسلمانوں کے قرطہ میں ایک عظیم کتب

خانہ تھا، جس میں صرف ہاتھ کی لکھی ہوئی ساٹھ ہزار کتابیں تھیں۔“

رینے مارسیال (Rene Martrial) اور

لاؤپس لکھتے ہیں:

”بارہویں صدی عیسوی میں فرانس، جرمی اور

المی میں ایک کتاب بھی ملنی مشکل تھی، جبکہ دوسری

کے موضوع پر جو خیم اور عظیم کتاب تصنیف کی ہے

زبان میں منتقل کیں۔

تیرہویں صدی میں الٹی میں ان تعلیم یافتہ افراد کی بڑی تعداد جمع ہو گئی تھی جنہوں نے اندرس میں عربی اور اسلامی تہذیب و تدبیان سے واقفیت حاصل کی تھی، چنانچہ اس طرح عربی زبان کی مدد سے یورپ اسٹراؤ اس کی تصنیفات سے واقف ہوا، اور یہ واقفیت عربی زبان میں کیے گئے ترجیموں کی مدد سے ہوئی، یہ عربی ترجمے اور عربی کتابیں طویل عرصہ تک یورپ کے ان کالجوں اور دانش گاہوں میں شامل نصاب رہیں جو عربی مدارس کے طرز پر قائم کیے گئے تھے۔

جرمن مستشرقة ڈاکٹر زیگر یہ ہونکہ ”شمس الاسلام تطلع علی الغرب“ (مغرب پر اسلام کا سورج طلوع ہو رہا ہے) میں قطراز ہیں:

”چھ صدیاں پہلے پورے یورپ میں صرف پیرس کے میڈیاکل کالج میں ایک چھوٹی لاہری یہی تھی جس میں صرف ایک کتاب تھی اور وہ بھی ایک عرب مصنف کی، یہ بڑی قیمتی اور پراز معلومات تھی، اس وقت کے سارے نصرانیوں کے بادشاہ لوں یا زدہم نے ایک مرتبہ اس کتاب کو عاریتے لینا چاہا تو اسے بھی بطور ضمانت ایک خلیر قم جمع کرنا پڑی، لوں کا مقصد یہ تھا کہ اس کے پرائیوٹ معلمین اس کتاب کی ایک نقل تیار کر لیں تاکہ جب بھی بادشاہ سلامت کو عارضہ اور کوئی بیماری لاحق ہو تو اس کی طرف رجوع کیا جاسکے، یہ کتاب کیا ہے، ایک عظیم انسائیکلو پیڈیا ہے، اس میں ۹۲۱ء تک کے تمام قدیم یونانی طبی علوم جمع کر دئے گئے ہیں۔“

مزید لکھتی ہیں:

”رازی نے میڈیاکل سائنس اور طبابت طرف صرف اندرس (اپین) میں مسلمانوں کے

ہموار کر دیا جو تحریک کی منتظر تھی، صنعت و تجارت کا بازار گرم ہو گیا، اور اس طرح علمی اور صنعتی بیداری تیر ہوئی صدی عیسوی میں قائم ہوئی۔

دنیا میں علم کی شرو واشاعت اور قافلہ علم کی رفتار و کواس کا علم ہوا تو انہوں نے اس کو اور اسکے حامی باادشاہ کو قتل کر دیا۔

ترقی ان مسلمانوں کی رہیں منت ہے جنہوں نے مزید لکھتا ہے:

دنیا پر ایک ہزار سال سے زیادہ حکمرانی کی، مسلمانوں کے بڑے شہر: قاہرہ، بغداد، قرطبه، اصفہان، قزوین، تبریز، سرقدار اور بخاری علم و معرفت کے گھوارے اور عالمی تہذیب و تمدن کے

سرچشمے تھے، اگر کلیسا کی طرح اسلام کا بھی روایہ علم کے تعلق سے معاندانہ ہوتا تو قافلہ علم اسی حالت میں ہوتا جس میں وہ ساتویں صدی عیسوی میں تھا،

جهاں کتب خانے مغلول تھے، کتابیں ناپیدا اور محفوظ تھیں، غور و فکر اور تربر پر پابندیاں عائد تھیں، بعض

انصاف پسند مغربی فضلاء اور مستشرقین نے انسانیت پر بعثت محمدی کے اثرات و احسانات کا اعتراف کیا ہے اور حقیقت ہے کہ آج دنیا میں جو

بھی روشنی علم و ہنر ہے وہ سب بعثت محمدی کا فضل و احسان ہے، انسانی تہذیب کے ہر مرحلہ اور میدان میں اسلام کے بے پایاں اور دوسرے اثرات کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

رینان (Renan) کہتا ہے:

”البرٹ کبیر ہر چیز میں ابن سینا کا رہیں منت ہے، اور سائتو ما اپنے تمام فلسفہ میں ابن رشد کا خوش چیز ہے۔“ یورپ کا بابائے سائنس رو جو ریکن بھی عربوں کا شاگرد تھا، اور وہ خود اپنے شاگردوں کو تلقین کیا کرتا تھا کہ اگر صحیح علم حاصل کرنا ہے تو عربی پڑھنا سیکھو۔

گستاخ لیبان لکھتا ہے:

”عربوں ہی نے یورپ کو علم و معرفت اور تہذیب میں پہلی یونیورسٹی چودھویں صدی میں قائم ہوئی، وہاں کی دنیا سے متعارف کرایا، عرب ہمارے محسن

اور مختلف عہدوں اور مناصب عالیہ سے گزر کر پوپ کے منصب پر فائز ہوا، لیکن جب قدامت پرستوں کے سامنے علم کی شرو واشاعت اور قافلہ علم کی رفتار و کواس کا علم ہوا تو انہوں نے اس کو اور اسکے حامی باادشاہ کو قتل کر دیا۔

میزبان لکھتا ہے:

”اس وقت سے علوم ڈفون کی ترقی شروع ہوئی، عرب نام اور اصطلاحیں مغرب میں داخل ہوئیں اور روم کی جگہ لے لی، علم الجبرا کی اصطلاح اعرابی زبان سے ماخذ ہے۔“

یہ حقیقت ہے کہ یورپ نے عربوں ہی کی علمی و فنی تحقیقات و تجییقات اور ان ہی کی بیانی تصنیفات سے خوش چینی کی اور مسلمانوں ہی کے بتائے اور بنائے ہوئے اصول و مبادی پر اپنے تمدن و تہذیب کے محل تغیری کے ہیں۔

ایک مغربی مفکر کہتا ہے: ”عرب ہی فلکیات، سائنس، کیمیا اور طبی علوم میں ہمارے استاد اول ہیں۔“

ای ایم برلن لکھتا ہے:

”بارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی میں یورپ کی عقلی ترقی ترکوں کے خلاف مقدس جنگوں کے بجائے شرق ادنی کے ساتھ تجارتی لین دین اور اندلس اور صقلیہ کے متوجہین اور اہل علم کی کوششوں کی رہیں منت ہے۔“

مغرب نے گیارہویں صدی میں طلیطلہ، قرطبه اور غرناطہ میں قائم اسلامی دانشگاہوں سے کسب فیض کیا اور پھر مسلمانوں کے قائم کیے ہوئے علمی مراکز کے طرز پر اپنے یہاں ادارے قائم کیے، برلن لکھتا ہے: ”یورپ میں سب سے پرانی یا سب سے پہلی یونیورسٹی گیارہویں صدی عیسوی میں قائم ہوئی، اس

کے بعد گیارہویں اور چودھویں صدی کے درمیان یورپ میں بہت سی یونیورسٹیاں قائم کی گئیں، جنمی میں پہلی یونیورسٹی چودھویں صدی میں قائم ہوئی،

میکلہ اختساب سائنس (اکویزیشن) کی میسیوں محققین سائنس، علمی انسکشافات و ایجادات کے گناہ میں نذر چڑھ گئے، پادری سمجھتے تھے کہ زمین کا گول کہنا بھی مذہب کی تردید ہے، مشہور سائنس وال گلیلیو (Galileo) کو اس بنا پر موت کی سزا دی گئی کہ وہ آفتاب کے گرد زمین کے گھومنے کا قائل تھا، کوپرنیک (Copernic) نے حرکت ارض و مرکزیت مشہش کے اثبات یا نظام فیساخورس کی تائید کی، تو اس کو قید کی سزا ملی اور قید ہی میں مر گیا، برونو (Bruno) اس جرم میں جلا دیا گیا کہ ”تعدد عالم“ کا قائل تھا۔ (مذہب و عقليات، مولا ن عبدالباری ندوی)

۵۰۵ء میں صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا اور پوپوں نے پورے یورپ میں جنگ کا محول پیدا کر دیا، ان جنگوں نے اہل یورپ کو مسلمانوں سے ملنے جلنے، متمدن عرب شہروں کو دیکھنے اور وہاں آنے جانے کا موقع فراہم کیا، مسلمانوں کے نظام تعلیم و تربیت سے واقف ہوئے، عالم اسلام کے تہذیب جلوں اور ترقیات سے روشناس ہوئے، اسلامی شہروں کے نظام و قانون، صفائی سقراطی، چمک دمک اور وہاں کے بازوں کی رونق اور وسائل زندگی کی فراوانی سے مروع ہوئے۔

ایک مغربی مؤرخ لکھتا ہے:

”صلیبی جنگوں نے نسلوں کی تہذیب و تمدن پر بڑا گھرا اثر ڈالا، سماجی اور معاشری بیداری کا راستہ

ہو گیا تو بزرگوت نصرانی بنا یا گیا، عیسائی اور غیر عیسائی کے نظام کو بدل دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس نے مذہب سے دوری اختیار کر لی ہے، لیکن جب وہ مسلم ممالک میں اپنے محققین، دانشوار، ڈاکٹر اور معلمین مشتریاں پھیل گئیں، مذہبی کتابوں کی طباعت اور اشاعت کے لیے پرلس قائم کیا گیا، اور صرف کے ذریعہ داخل ہوا تو مشری طاقت کی حیثیت سے عیسائیت کی تبلیغ ہی نہیں کی؛ بلکہ دوسری تہذیبوں داخل ہوا، اور علم اور مذہب بلکہ علم اور تبلیغ میسیحیت شانہ بشانہ نظر آئے، یورپ نے عالم اسلام کے مختلف حصوں میں مبلغین بھیجے، علوم و فنون اور یورپی زبانوں کے معلمین کو ٹریننگ دی، کارخانوں، یورپی شہریز اور ابتدائی اسکولوں میں کام کرنے والوں کو مجبور کیا گیا، اس طرح یورپ کا موقف انتقامی خصوصاً تیار کیا تاکہ وہ کام کے دوران نصرانی عقائد کی تبلیغ کر سکیں، اور جب عالم اسلام پر یورپ کو تسلط حاصل

تھے، اور چھ صدیوں تک ہمارے پیشو اور مقنقار ہے۔
مزید لکھتا ہے:

”عربوں کے یورپ پر بڑے عظیم احسانات ہیں، عربوں نے پورے یورپ پر دورس، دیریا اور گھرے اثرات و نقوش چھوڑے ہیں، یورپ کی تہذیب و تمدن اور ترقی کے اصل معمار عرب ہی ہیں، عربوں کے اثرات و احسانات کا صحیح اندازہ اسی وقت لگایا جاسکتا ہے جبکہ یورپ کا وہ تاریک دور نظرلوں کے سامنے ہو جس میں بیداری شروع ہوئی، جب ہم نویں اور دسویں صدی عیسوی پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ایک طرف اپیں میں اسلامی تہذیب بام عروج پر تھی، تو دوسری طرف مغرب میں علمی مرکز چند برجوں سے عبارت تھے، جن میں ان پڑھ اور غیر مہذب حکمران رہتے تھے، جنہیں اپنے ناخواندہ ہونے پر فخر تھا، اور یورپ میں تعلیم یافتہ طبقہ جاہل اور نادار اہبوں پر مشتمل تھا۔“

R o b e r t (The Making of Humanity) کتاب

(of Humanity) میں لکھتا ہے:
”یورپ کی ترقی کا کوئی ایسا پہلو نہیں، جس پر اسلامی تمدن کا احسان اور اس کے نمایاں آثار کی گہری چھاپ نہ ہو۔“

آگے چل کر لکھتا ہے: ”صرف طبعی علوم ہی (جن میں عربوں کا احسان مسلم ہے) یورپ میں زندگی پیدا کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں، بلکہ اسلامی تمدن نے یورپ کی زندگی پر بہت عظیم الشان اور مختلف النوع اثرات ڈالے ہیں اور اس کی ابتداء اسی وقت سے ہو جاتی ہے، جب اسلامی تہذیب و تمدن کی پہلی کریں یورپ پر پرانی شروع ہوتی ہیں۔“
یورپ نے کلیسا کے خلاف بغاوت کی، اس

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کی جدید و دیدہ زیب طباعت

حضرت مولانا محمد الیاس (ره) اور آن کی دینی دعوت

نیا ایڈیشن اہم اضافوں کے ساتھ

از مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی

قیمت: ۳۰ روپے

کل صفحات: ۳۲۸

اصحاب کہف کے غار سے یگمن گی واڈیوں میں

از مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی

قیمت: ۱۰۰ روپے

کل صفحات: ۱۶۰

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

پوسٹ بکس نمبر ۹۳، ندوہ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر: 9889378176، موبائل نمبر: 0522-2741539

ایمیل - airpnadwa@gmail.com

علم عمل کے بغیر دعا

مولانا ابوالکلام آزاد

دعاوں نے ہمیں ضرور فائدہ پہنچایا، لیکن فائدے کا یقین خوش اعتقد اسے ہم سے زیادہ نہ تھا، کیونکہ بالآخر دعا بھی سودمند نہ ہوئی اور آگ کے بانوں نے تمام بر جیوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔

یہ حال تو تیر ہوئی صدی بھی کا تھا لیکن چند صدیوں کے بعد جب پھر پورپ اور مشرق کا مقابلہ ہوا تو اب صورت حال مکسر الٹ پچلی تھی، اب دونوں جماعتوں کے مقابلہ خصائص اسی طرح نمایاں تھے جس طرح صلبی جنگ کے عہد کے میں رہے تھے اور جو جگہ مسلمانوں کی تھی اسے اب پورپ نے اختیار کر لیا تھا۔

اٹھارویں صدی کے اوخر میں جب نپولین نے مصر پر حملہ کیا تو مراد بک نے جامع ازہر کے علماء کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا تھا کہ اب کیا کرنا چاہیے، علمائے ازہرنے بالاتفاق یہ رائے دی تھی کہ جامع ازہر میں صحیح بخاری کا ختم شروع کر دینا چاہیے کہ نجات کے لیے تیرہ ہدف ہے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا لیکن انہی صحیح بخاری کا ختم ختم نہیں ہوا تھا کہ اہرام کی لڑائی نے مصری حکومت کا خاتمه کر دیا، شیخ عبدالرحمٰن الجبری نے اس عہد کے چشم دید حالات قلمبند کیے ہیں اور یہ بڑے ہی عبرت انگیز ہیں۔

انیسویں صدی کے اوائل میں جب رویوں نے بخارا کا محاصرا کیا تھا تو ایمیر بخارا نے اسے حکم دیا کہ تم مدرسوں اور مسجدوں میں ختم خواجهگان پڑھا جائے، اور رویوں کی قلعہ شکن توپیں شہر کا حصہ منہدم کر دیتی تھی، اور لوگ ختم خواجهگان کے حلقوں میں بیٹھے "یامقتبل القلوب، یا محوّل الأحوال" کے نعرے لگا رہے تھے، بالآخر وہی نتیجہ نکلا جو ایک ایسے مقابلے کا نکلا تھا، جس میں ایک طرف گولہ بارود ہوا اور دوسری طرف ختم خواجهگان، دعا میں ضرور فائدہ پہنچا تھی ہیں مگر انہی کو پہنچا تھی ہیں جو عزم وہمت رکھتے ہیں، بے نعمتوں کے لیے تو وہ ترک عمل اور قحط قوی کا حیلہ بن جاتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

صلیبی جہاد نے ازمنہ وسطیٰ کے پورپ کو مشرق پیش آگیا ہے کیونکہ اگر ہم نے ان بر جیوں کو نہ چوڑا تو مسیحی دماغ کی نمائندگی کرتا تھا اور مشرق وسطیٰ مسلمانوں کے دماغ کی، اور دونوں کی مقابلہ حالت سے ان کی مقابلہ جو جیوں کو چوڑا کر نکل جاتے ہیں تو پھر ہماری نہ ہب کے مجتوہ نہ جوش کا علم بردار تھا اور مسلمان علم و دانش کے علم بردار، پورپ کے ہتھیار سے لڑنا چاہتا تھا اور مسلمان لو ہے اور آگ کے ہتھیاروں سے لڑتے تھے، پورپ کا اعتماد صرف خدا کی مدد پر تھا، مسلمان آگ کے سب لوگوں کو یہ ہے کہ جوں ہی مسلمان آگ کے جان جلائیں، ہمیں چاہیے کہ گھنٹوں کے بل جنک جائیں اور اپنے نجات دہنے والے خدا کے پیدا کیے اس مصیبت میں ہماری مدد کرے۔

چنانچہ ہم سب نے ایسا ہی کیا، جیسے ہی مسلمانوں کا پہلا بان چلا، ہم گھنٹوں کے بل جنک گئے اور دعائیں مشغول ہو گئے، یہ بان استنے بڑے تھے کہ جیسے شراب کے پیسے، اور آگ کا جوش عالم ان سے نکلا تھا، اس کی دم اتنی لمبی ہوتی تھی جیسے ایک بہت بڑا نیزہ، جب یہ آتا تھا تو ایسی آواز نکلتی جیسے بادل گرج رہے ہوں، اس کی شکل ایسی دھماکی دیتی تھی جیسے ایک آتشیں اڑ دھا ہو ایں اڑ رہا ہے، اس کی روشنی نہایت تیز تھی، چھاؤنی کے تمام حصے اس طرح اجائے میں آجائے تھے جیسے دن نکل آیا ہو، اس کے بعد خود لوگوں کی نسبت لکھتا ہے، ہر مرتبہ جب بان چھوٹنے کی آواز ہمارا ولی صفت بادشاہ ستان تھا تو ایک انجمن جسے پڑیری (یعنی تینیں) کہتے ہیں، بستر سے اٹھ کھڑا ہوتا تھا اور روتے روتے ہاتھ اٹھا لا کر نصب کر دیا اور اس سے ہم پر آگ پھینکنے لگے، یہ حال دیکھ کر میرے لارڈ والٹر نے جو ایک اچھا ناٹ تھا، ہمیں یوں مخاطب کیا:

"مہریان مولیٰ! ہمارے آدمیوں کی حفاظت کر۔"
میں یقین کرتا ہوں کہ ہمارے بادشاہ کی ان

ڑاویں کی سرگزشت میں بھی یہ مقابلہ تھا۔ ہر جگہ نمایاں ہے، جب مصری فوج نے مجنیقوں کے ذریعے سے آگ کے بان پھینکنے شروع کیے تو فرانسیسی، جن کے پاس پرانے دستی ہتھیاروں کے سوا اور پچھنہ تھا، بلکہ بے بس ہو گئے۔ ڑاویں اس سلسلے میں لکھتا ہے:

ایک رات جب ہم ان بر جیوں پر جور دیا کے راستے کی حفاظت کے لیے بنائی گئی تھیں، پہرہ دے رہے تھے تو اچاک کیا دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے ایک انجمن جسے پڑیری (یعنی تینیں) کہتے ہیں، بستر سے اٹھ کھڑا ہوتا تھا اور روتے روتے ہاتھ اٹھا لا کر نصب کر دیا اور اس سے ہم پر آگ پھینکنے لگے، یہ حال دیکھ کر میرے لارڈ والٹر نے جو ایک اچھا ناٹ تھا، ہمیں یوں مخاطب کیا:

مولانا عبد الحق اعظمی مرحوم

حضرت مولانا سید محمد رابع حسینی ندوی

سے دارالعلوم دیوبند میں صحیح بخاری شریف کا درس دے رہے تھے، اور دوسری جلدان سے متعلق تھی، افسوس کہ ایک مختصر علالت کے بعد دیوبند میں ۹۰ رسال کی عمر میں وفات پائی گئی، انا اللہ وانا الیه راجعون۔

مولانا کا سانحہ وفات علمی حلقوں کے لیے مولانا کا سانحہ وفات علمی حلقوں کے لیے خصوصیت سے ایک اہم سانحہ ہے، جو ۳۰ نومبر ۱۹۲۵ء مطابق گلیری پریج الشانی ۱۳۳۸ھ عشاء کے وقت پیش آیا، ان کی پیدائش ۶ ربیع المرجب ۱۳۲۵ھ، ارجمندی ۱۹۲۴ء کی تھی، دارالعلوم متین میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد دورہ حدیث دارالعلوم میں کیا، یہ زمانہ تقسیم ملک کے بعد غالباً ۱۹۲۷ء کا تھا، ان سے ہماری اچھی واقفیت تھی، اور ان کے علمی رسوخ، اور رشد و صلاح کے احوال و کیفیات کا ان سے مل کر اندازہ ہوتا تھا، باوجود تدریس کے بڑے منصب پر اور وہ بھی عظیم شہرت یافتہ تعلیمی ادارے دارالعلوم دیوبند میں فائز ہونے کے باوجود ان کی طبیعت میں سادگی، تواضع اور بہت سی ایسی خصوصیات تھیں جو کم نظر آتی ہیں، جہاں تک ان کے درس کی خصوصیات کی بات ہے تو اس کے متعلق ان سے تعلیم حاصل کرنے والے فضلاء و اہل قلم لکھیں گے، لیکن جس اخلاص و استقامت کے ساتھ انہوں نے تعلیم و تدریس کی خدمت کی اور حدیث شریف سے ان کو جو غیر معمولی اشتغال رہا اور اچھی عمر اور اچھے اعمال کے ساتھ حاصل ہوئی، یہ ان کے بعد میں کام آنے والی اور دنیا میں صدقہ جاریہ کی حیثیت سے قبل رشک ہے، یہ ان کی بے نفسی تھی کہ اچھے علمی مقام پر فائز ہونے کے باوجود انہوں نے ایسے کو اصلاح و استغفارہ سے

مصنفوی اعظمی کا نام بھی لیا جا
گڑھ کی ایک خصوصیت یہ بھی
علوم کے اچھے ادارے قائم
جگہوں سے بھی لوگ آ کر اس
ہیں، ان اداروں میں مدرسے
دارالعلوم مناصبی شہرت کے
ادارے ہیں، ان میں تعلیم
تدریس کا شغل اختیار کرنے
عبدالحق اعظمی مرحوم بھی تھے
میکیل دارالعلوم دیوبند میں
ضرورت پڑنے پر دارالعلوم دب
وہاں تاہیات استادر ہے۔
دارالعلوم دیوبند سے پہ
(اعظم گڑھ) میں استاد
حدیث و فقہ کی کتابیں ان سے
ان سے تعلیم حاصل کرنے والے
خصوصیات کے حامل افرا
مولوی نیاز احمد اعظمی ندوی
ذکر ہیں، جنہوں نے بعد
العلماء لکھنؤ میں میکیل ادب
کے ایک اچھے استاد کے
ہیں، اسی طرح دارالعلوم دب
استفادہ کرنے والوں کی بڑی
دعوت کے کام میں لگی ہوئی
ان کا فیضان جاری ہے، وہاں

ضلع متواتر بھجن اور اعظم گڑھ میں
مسلمانوں کی آبادی کا تناسب دوسرے شہروں اور
ضلعوں کے مقابلہ زیادہ، ہتر اور دین علم سے ان کا
تعلق معروف حقیقت ہے، جو ان کی انفرادی اور
اجتماعی زندگیوں میں دیکھا جاتا ہے، وہاں دینی
تعلیم حاصل کرنے والوں میں بھی بڑی شخصیتیں
ہوئیں، اور انہوں نے خدمت علم و دین کا قابل
قدر کام کیا اور نامور ہوئے، خاص طور سے علم
حدیث میں تصنیف و تحقیق، اور تدریس و تعلیم میں
کئی بڑی ممتاز شخصیتیں سامنے آئیں، جن میں
حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ
کو ان تمام حیثیتوں سے بین الاقوامی شہرت ملی اور
ان کو مر جیعت حاصل ہوئی، اسی طرح اور بھی نام
ہیں جن میں ایک بزرگ شخصیت حضرت مولانا محمد
ایوب اعظمی مرحوم کی بھی ہے، جو طویل عرصہ تک
ڈا بھیل میں واقع مشہور اور قدیم دینی درسگاہ جامعہ
اسلامیہ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے
تھے، حدیث شریف کے ان ممتاز علماء و اساتذہ کی
صف میں مولانا نعمت اللہ اعظمی استاد دارالعلوم
دیوبند اور مولانا ضیاء الحسن اعظمی سابق استاد
دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے نام بھی اہمیت کے
حامل ہیں، اس خطہ کی ان کے علاوہ اور بھی ممتاز
شخصیات ہیں جن کی علم حدیث میں اختصاص کی
حیثیت سے ملک ویرون ملک اچھی پہچان
ہوئی، جن میں علم و تحقیق کے لحاظ سے مولانا داکٹر

فکر و عمل

صبر و استقامت اختیار کرنے کی ضرورت

مولانا سید محمد حمزہ شیخ ندوی

اس وقت ہمارے ملک کے جو حالات چل رہے ہیں وہ خاص کر مسلمانوں کے لیے بہت فکرمندی کے حالات ہیں، نت نئے مسائل پیدا کیے جا رہے ہیں، چاہے تعلیمی میدان ہو یا سیاسی میدان ہو یا خالص مذہبی معاملات ہوں۔

ساری دنیا میں اس وقت مسلمان بحیثیت قوم و شہنوں کے نشانہ پر ہیں، اسی کے اثرات ہمارے ملک پر بھی پڑ رہے ہیں، مخالفین اسلام اسی سے فائدہ اٹھا کر اسلام اور مسلمانوں پر حملہ کر رہے ہیں اور کوشش کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کو ہر طرف سے دباؤ میں لے کر ان کو مغلوب کر لیں اور ان کو ذہنی اور عملی طور پر نکست خورده قوم کی حیثیت میں کر دیں۔

اس لیے اس صورت حال کا جائزہ لے کر ہم لوگوں کو مضبوطی سے اپنے دیں، اپنی تہذیب اور اپنی تعلیمی خصوصیات کی حفاظت کے لیے اقدام کرنا چاہیے اور اس بات کا یقین اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے کہ اگر اپنے اسلامی صفات سے اپنے آپ کو آرستہ کر لیا تو دنیا کی کوئی طاقت ہم کو مغلوب نہیں کر سکتی، اور فتح ہمارا مقدر ہوگی۔

اگر ہم نے اسلام کا دامن چھوڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنة اختیار نہ کیا تو یقیناً تباہی و بر بادی ہمارے حصہ میں آئے گی اور کفر و باطل کے طوفان کے سامنے ہم ٹھہرنا پائیں گے۔

یاد رکھیے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اس طرح کے باطل کے طوفان تاریخ میں متعدد آئے ہیں کہ لگتا تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیں گے لیکن مسلمانوں کی ثابت قدمی، صبر و استقامت کے سامنے وہ چکنا چور ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے اسلام اور مسلمان سرخو ہوئے۔



مستغنى نہیں سمجھا اور حضرت مولانا شاہ ابراہم حق حقی رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت کی بناء پر ان کے جانشین اور داماد محترم جناب حکیم کلیم اللہ صاحب سے تعلق قائم کیا، اور ان کے مجاز بھی ہوئے، شروع سے ان کے دینی اور علمی مزاج کا ان کی شخصیت کی تکمیل میں بڑا حصہ رہا، اور تعلیم حاصل کرنے کے بعد تعلیم و تدریس میں لگ کر انہوں نے علمی حلتوں میں ایک اچھا مقام پیدا کر لیا تھا، پھر بھی انہوں نے اس کی ضرورت سمجھی کہ کسی کو اپنا بڑا بنا کر دین کے راستے پر چلیں، دیکھا جائے تو یہ احساس و شعور جوان کو حاصل تھا، ایک بڑی دولت تھی جس سے انہوں نے فائدہ اٹھایا، اور طلبہ بھی ان سے علم کے فائدہ کے حصول کے ساتھ دین کا فائدہ حاصل کرتے تھے، جو اخلاص و استقامت، ایمان و یقین اور اتباع سنت کا ان کی زندگی سے سیکھنے کو ملتا تھا، آخر میں ان کی صحت کمزور ہو گئی تھی، جو عمر کا بھی تقاضہ تھا، اسپتال میں بھی علاج کے لیے داخل کیے گئے، جہاں انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا، جس سے خاص طور پر دارالعلوم کی نضا اور ان کے مستفیدین کے دل متأثر ہوئے، اور عقیدت و محبت کے جذبات سے ان کو ابدی راحت کی زندگی کے لیے رخصت کیا۔

دارالعلوم دیوبند میں ان کی نماز جنازہ مولانا سید ارشد مدنی صاحبزادہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نے پڑھائی اور قبرستان قاسمی میں سپرد خاک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کے مقام کو بلند کرے اور ملت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔



شمع فروزان

تہذیبی ارتدا اور ملی بقا و حفظ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اور یہودی منصوبہ بندی کی آکاری ہوئی ہے اور اس کے اشارہ چشم وابرو پر قصاں ہے، اس بات کے لیے کوشش ہے کہ اگر مسلمانوں کو کھلے عام مرتد نہیں کیا جاسکتا، تو ان پر ایسی زبردست تہذیبی یلخاڑ کر دی جائے کہ وہ خوشی خوشی تہذیبی ارتدا کو قبول کر لیں اور اس

مقصد کے لیے اتنے طاقتو رح بے استعمال کیے جا رہے ہیں کہ بہاظاہر اس سے زیادہ دور رہا اور توہی و موثر کوئی اور ذریعہ نہیں، تھی وہی نے اس رفتار کو بہت تیز کر دیا ہے اور وہ اشیا کی وجہ سے مسلمان ملکوں اور مشرقی ملکوں میں ایسے فخش پروگرام کا ایک طوفان سا آگیا ہے کہ جن کا اسلام اور مسلم سماج میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، اب اشیا کی وجہ سے اس تہذیبی یلخاڑ کو مزید طاقت ورنا دیا ہے اور ایک ایسی چیز جو بہترین تعمیری اور علمی مقاصد کے لیے استعمال ہو سکتی تھی، انتہائی تحریکی اور غیر اخلاقی تمہیں جوئی کا آکار بھی ہوئی ہے، اب جوئی معاشری اصلاحات کا عمل پوری دنیا میں جاری ہے اور ”عالیانے“ کی نئی اصطلاح شروع ہوئی ہے، اس کے نتیجے میں مغربی صفات، مغربی لٹچچر اور مغربی کمپنیوں کے وساطت سے تحریب اخلاقی غذائی اور غیر غذائی اشیاء کی آمد کا ایک سیل بلا خیز جاری و ساری ہے۔

اس وقت اس منصوبہ کے نقش مشرقی علاقوں میں اور مسلم ملکوں میں نہایت واضح طور پر دیکھے جاسکتے ہیں، ادھر چند برسوں میں عرب اور اسلامی ممالک میں خواتین کے لباس اس قدر تبدیل ہو گئے ہیں کہ امریکی و یورپی ملبسوں اور عرب خواتین کے ملبسوں میں کوئی فرق باقی نہیں رہا، بہت سے عرب اور مسلم ممالک وہ ہیں جہاں عوام تو کجا؟ علماء بھی داڑھی نہیں رکھتے، داڑھی جسے کسی زمانہ میں صلاح و تقویٰ اور شرافت و اعتماد کی علامت سمجھا جاتا تھا، اب دوشت گردی اور شدت پسندی کی پیچان سمجھی جاتی ہے، مجھے

ایمان کچھ حقیقتوں کو مانتے کا نام ہے، جن میں جب بھی الحاد و انکار کا راستہ اختیار کر لیتی ہے، یا کم سب سے اہم اللہ تعالیٰ پر، رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر، کم وہ مذہب کے بارے میں غیر سنجیدہ روایہ اختیار کر لیتی ہے، غیر سنجیدہ روایہ سے مراد یہ ہے کہ مذہب ایمان کی کوئی حقیقی اور قدری وابستگی نہیں ہوتی، البتہ سے اس کی کوئی حقیقی اور قدری وابستگی نہیں ہوتی، صرف ایمانیات ہی پر زور نہیں دیا، بلکہ عبادات، معاملات اور زندگی کے تمام شعبوں میں اپنی ہدایات سے سرفراز فرمایا، اور پوری قوت اور تاکید کے ساتھ تہواروں میں اس کی شرکت ہو جاتی ہے اور گاہے فرمائی، کیوں کہ کسی قوم کے لیے اپنے شخص کو برقرار رکھنا صرف عقیدہ کے ذریعہ ممکن نہیں، بلکہ تہذیب و معاشرت کو بھی اس میں بڑا دخل ہے، میں نے ”تہذیبی ارتدا“ سے تعبیر کیا ہے۔

یہ ارتدا دد بے پاؤں آتا ہے، غیر محسوس طریقہ پر داخل ہوتا ہے اور ایسا بیٹھا زہر بن کر حلق سے اترتا ہے کہ زہر کا کھا کر بھی انسان خشین و آفرین کے کلمات کہہ اٹھتا ہے، یہ ارتدا نہ سوئے ہوؤں کو جگاتا ہے، نہ غافلوں کو متوجہ کرتا ہے، نہ فکر مند دلوں میں تلاطم پیدا کرتا ہے، نہ قلب و ذہن کو چھینجوڑتا ہے اور نہ اس کی وجہ سے سماج میں کوئی پاچل پیدا ہوتی ہے، یہاں بیماری کی طرح ہے، جو بہ ظاہر ہلکی ہو، لیکن بندتر تجھ انسان کو موت کی طرف لے جائے اور یہ ایسا نشہ ہے کہ مقتول خود قتل کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے، اس لیے اس ارتدا کو خوب سمجھنے، اس کے محروم کر دیا جائے، کیوں کہ جب کوئی قوم اپنی سماجی انفرادیت سے محروم ہو جاتی ہے، تو وہ آہستہ آہستہ دین و مذہب ہی سے اپنارشتہ توڑ لیتی ہے اور اگر وہ کسی دوسرے مذہب کے دائرہ میں داخل نہ ہو،

اس وقت پوری دنیا میں اس بات کی کوشش کی جا رہی ہے کہ مسلمانوں کو ان کے مذہبی شخص سے محروم کر دیا جائے، کیوں کہ جب کوئی قوم اپنی سماجی انسانیت سے محروم ہو جاتی ہے، تو وہ آہستہ آہستہ دین و مذہب ہی سے اپنارشتہ توڑ لیتی ہے اور اگر وہ کسی دوسرے مذہب کے دائرہ میں داخل نہ ہو،

”حسن“ یعنی مقبول قرار دیا ہے، [الجامع الصیر، حدیث نمبر: ۸۵۹۳] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں عقیدہ وایمان میں غیر مسلموں سے مخالفت مراد نہیں ہے، کیوں کہ جو شخص عقیدہ کے اعتبار سے غیر اسلامی فکر اختیار کر لے، وہ تو پہلے ہی سے مسلمان نہیں ہے، اس کے غیر مسلموں سے مشابہت اختیار کرنے کے کیا معنی؟ لہذا اس حدیث میں عملی اور سماجی زندگی میں غیر مسلموں کے تشبہ سے منع فرمایا گیا ہے اور مختلف مسائل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح و توضیح نے اس نکتہ کو مزید واضح کیا ہے، مثلاً آپ نے سورج نکلنے، سورج ڈوبنے اور سورج کے نصف آسمان پر ہونے کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ کہ یہی اوقات عام طور پر مشرک اور آفتاب پرست قوموں کی عبادت کے رہے ہیں، جو قومیں سورج کی پرستار ہیں، وہ ان ہی اوقات میں سورج کی پوجا کرنی چاہیں، اس لیے ان اوقات میں مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے منع فرمایا گیا۔

روزہ میں حکم دیا گیا کہ افطار جلدی کیا جائے، افطار میں تاخیر نہ کی جائے، کیوں کہ افطار میں تاخیر اہل کتاب کا طریقہ ہے، یوم عاشوراء کے ساتھ مزید ایک روزہ رکھنے کا حکم ہوا، کیوں کہ اس دن یہود بھی روزہ رکھا کرتے تھے، تاکہ مسلمان انپی عبادت میں ان سے ممتاز رہیں، حج میں بہت سے ایسے افعال جن کو مشرکین بہت اہمیت دیتے تھے،

اسلام نے ان کو ختم کیا، یا ان میں تبدیلی پیدا کی، پھر یہی ہدایات آپ نے وضع قطع اور لباس و پوشش کے بارے میں بھی دی، جوئی دائرہ منڈا یا کرتے تھے، آپ نے اس سے منع فرمایا، اہل ایران اظہار تکبر کے لیے ٹخنوں سے چیخ کپڑے پہننے تھے، آپ نے اس پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، اہل

یہ حال ہے تو ان مسلمانوں کے بارے میں کیا کہا جائے، جو مغربی ثقافت کے آغوش میں مخوغفلت ہیں اور اسے دنیا ہی میں جنت تصور کرتے ہیں۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ مغربی ممالک نے عرب اور اسلامی ممالک اور مختلف علاقوں میں بینے والے تارکین وطن مسلمانوں کے لیے فراخ دلی کے ساتھ اپنا دامن دل کھول رکھا ہے، انھیں شہریت دی جاتی ہے، انھیں ملازمت اور مزدوری کے موقع ملتے ہیں، اور انھیں اپنے ملکوں سے پڑھ کر شہری حقوق دے دیے جاتے ہیں، تارکین وطن خوش ہیں کہ انھیں پہلنے پھولنے اور آگے پڑھنے کے بھرپور موقع ہاتھ آرہے ہیں، لیکن انھیں نہیں معلوم کہ وہ ان ممالک کے ہاتھوں اپنی اگلی نسلوں کا سودا کر رہے ہیں، چنانچہ لاکھوں عرب اور فلسطینی جو پچاس سال پہلے امریکہ گئے، اب ان میں مسلمان ہونے کی پچان بھی باقی نہیں رہی، مذہبی شعور رخصت ہوا، رہن سہن بدلتا گیا، زندگی کے طور و طریق تبدیل ہو گئے، یہاں تک کہ ان کے نام میں بھی مسلمانیت

کی کوئی بوابی نہیں رہ گئی ہے، حالانکہ ان کے آباء و اجداد راجح العقیدہ مسلمان اور عرب تہذیب کے علمبردار بن کر بیہاں آئے تھے، اگر آج ان گزری ہوئی روحوں کو دوسری زندگی دے دی جائے تو شاید یہ وہ خود اپنی نسل اور اپنی اولاد کو پہچان سکیں، یہ ہے اس تہذیبی ارتدا کا اثر، جو بتدریج افراد اوقام کو فطری اور اعتمادی ارتدا کی لے جاتا ہے۔

اسی پس منظر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس نے کسی قوم کی مشاہبہت اور مماثلت اختیار کی، وہ ان ہی میں سے ہو گیا، اس روایت کو امام ابو داؤد نے حضرت عبداللہ بن عمر اور امام طبرانی نے حضرت خذیفہ بن الیمان سے روایت کیا ہے اور علامہ سیوطیؒ نے اس حدیث کو

ایک بارچ کے موقع سے مکرمہ میں ایک ہوٹل میں
ٹھہر نے کا اتفاق ہوا، جس کے استقبالیہ پر ایک دین
دار، خوش شکل، مصری نوجوان اڑکا بیٹھا کرتا تھا اور اس

کے چہرے پر داڑھی بہت بھلی محسوس ہوتی تھی، میں اکثر عشاء کے بعد مسجد سے واپس ہوتے ہوئے دوچار منٹ اس کے پاس بیٹھ جاتا، کبھی نہ بہ پر، کبھی عربی زبان کے بارے میں اور کبھی مصر میں مسلمانوں کے حالات کے متعلق اس سے گفتگو ہوتی، وہ بہت رجستہ اور بہت ہی بلیغ اور سہل عربی زبان میں گفتگو کرتا اور بہت ہی اخلاق و مرمت سے پیش آتا، اس لیے اس نوجوان سے گفتگو کرتے ہوئے لطف سا آتا تھا، میں نے ایک دن کہا کہ مصر کے لوگ عام طور پر داڑھی نہیں رکھتے، لیکن آپ نے جو داڑھی رکھی ہے، یہ بہت اچھی بات ہے، اس سے آپ کے چہرے پر ایک نور انسیت اور مخصوصیت سی معلوم ہوتی ہے، میری یہ بات سن کرو وہ افسر دہساو گیا اور اس نے تجیدہ ہو کر کہا کہ شیخ آپ سچ کہتے ہیں، میں داڑھی رکھنا چاہتا ہوں، لیکن مصر میں داڑھی رکھنے میں بڑی مشکلات ہیں، ہمارے یہاں داڑھی رکھنے والوں کو باضابطہ اپنا رجسٹریشن کرانا پڑتا ہے، میں جب پہلی بار داڑھی رکھ کر اپنے وطن گیا تو مجھے سات آٹھ گھنٹہ ایری پورٹ پر تفیش کے لیے روک لیا گیا اور میرے پورے الال خاندان کو طلب کیا گیا، جن میں میری ماں اور بہنیں بھی تھیں اور ان سے بھی کافی دیر تک تفیش کی گئی، اس کے بعد مجبوراً میں مصر جاتے ہوئے اپنی داڑھی صاف کرایتا ہوں اور واپسی کے بعد پھر داڑھی رکھ لیتا ہوں۔

غور کیجیے! کیسا غصب ہے کہ ایک مسلمان ملک میں مسلمانوں کو داڑھی رکھنے کی اجازت نہ ہو، کاش! یہ اسرائیل ہی سے سبق حاصل کرتے جہاں یہودی مذہبی طبقے کے داڑھی رکھنے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، جب مسلمان ملکوں میں بنے والے مسلمانوں کا

جگہ مسلمان بچوں کے ہندی نام بھی رکھے جا رہے ہیں، اس کے لیے بہ ظاہر معمولی، لیکن متائج کے اعتبار سے دور رس اقدامات کیے جا رہے ہیں، ٹی وی پروگراموں کا ہندو کرن کیا جا رہا ہے اور نصاب تعلیم میں تبدیلی لائی جا رہی ہے، ہندو اذم کو ہندو دیوتاؤں اور فرمائزاؤں کو قومی ہیرو کے روپ ایک نظریہ و عقیدہ کے بجائے قومی ثافت کے روپ میں پیش کیا جا رہا ہے اور اس طرح کی بہت سی چیزوں ہیں، جو ہمارے سماج میں دبے پاؤں آگے بڑھ رہی ہیں، آج ہم ان کے قدموں کی آہستہ سنبھالنے سے قاصر ہیں، لیکن اگر ہم نے حالات کو جسمی نہیں کیا تو مستقبل میں اس سے ناقابل تلافی نقصان کا اندیشہ ہے، اس لیے اس وقت اس تہذیبی ارتادا کی طرف بڑھتے ہوئے قدم کو پوری قوت کے ساتھ رونکنے کی ضرورت ہے کہ یہ محض سیاسی پاغجامہ بنائے جا رہے ہیں، بہت سے علاقوں میں مسلمان عورتیں ہندوانہ رسم و رواج کے مطابق سندور لگاتی، یا کالی پوت کے ہار پہنچتی ہیں، یعنی مذاہب شادی بیوہ کا رواج بھی بڑھ رہا ہے، بعض

دیں، اس کے لیے بہ ظاہر معمولی، لیکن متائج کے زندگی میں آپ نے سید ہے بال رکھنے کو پسند فرمایا، تاکہ مسلمان ان سے متاز رہیں، مدینہ میں یہود سید ہے بال رکھتے تھے، تو ہبہ آپ نے مانگ کا لئے کو پسند فرمایا، پھر جب تمام عرب نے اسلام قبول کر لیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں طرح بال رکھنے کی اجازت مرحمت فرمادی، اسی طرح عرب یا تو صرف ٹوپی پہننے تھے، یا صرف عمامہ باندھتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ابتداء ہدایت دی تھی کہ وہ ٹوپی اور عمامہ دونوں کا استعمال کریں، تاکہ ان کے اور مشرکین کے درمیان امتیاز باقی رہے، بعد کو جب الٰل عرب یمان لے آئے، تو آپ نے صرف ٹوپی یا صرف عمامہ کے استعمال کی بھی اجازت مرحمت فرمائی۔

دین کا یہ مزاج کہ مسلمانوں کو قومی اعتبار سے دوسری اقوام سے متاز اور مشخص رہنا چاہیے، فقہاء نے بھی اپنے احتجاج و استبطاط اور قانون شرع کی تشریح و توضیح میں ہمیشہ اس کو لمحو نظر رکھا ہے اور لباس و پوشش، خورد و فوش، عبادات، یہاں تک کہ عبادت گاہوں کے طرز تعمیر وغیرہ ہر مرحلہ پر ایک نیادی اصول کی حیثیت سے اس بات کو پیش نظر رکھا ہے کہ مسلمان ایک امتیازی شان اور وہ اپنے دین و مذہب اور تہذیب و تمدن میں دوسری قوموں سے متاز اور مشخص رہیں، کیوں کہ جب کوئی قوم اپنی تہذیب سے محروم ہو جاتی ہے اور تمدن و ثافت کے میدان میں دریوڑہ گری پر اتر آتی ہے تو پھر آہستہ آہستہ وہ اپنے فکر و عقیدہ سے ہی ہاتھ دھوپتھی ہے۔

ہندوستان میں اس وقت سکھ پریوار کی جانب سے اس بات کی بھر پور کوشش کی جا رہی ہے کہ مسلمان نماز پڑھیں، مسجدوں کو جائیں، عید بقر عید وغیرہ کر لیا کریں، لیکن اسلامی تہذیب کو خیر باد کہہ

دعاۓ مغفرت

☆ رکن مجلس انتظامی مجلس نظمت ندوۃ العلماء لکھنؤ ڈاکٹر محمد شعیب قریشی کی والدہ ماجدہ نے ۱۳۴۰ھ/۱۳۲۸ء مارچ کا ۲۰ء کو لکھنؤ میں رحلت فرمائی، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ کی دین و ملت اور تعلیم نسوان کے لیے بڑی خدمات رہی ہیں جس کے لیے مدرسہ نور الاسلام نسوان ان کی یادگار ہے، ان کے دیگر فرزدان مولوی ڈاکٹر صہبیہ، مولوی ڈاکٹر جنید، مولوی ڈاکٹر عبید، سبھی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے تعلیم یافتہ عالم دین ہیں، وہ مشہور معان لج اور ملی قائد ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم کی اہلیت میں رائے بریلی کے جناب حبیب احمد قریشی نے ۱۳۴۰ھ/۱۳۲۸ء مارچ کا ۲۰ء کو لکھنؤ میں

زیر علاج رہ کر وفات پائی، انا اللہ وانا الیہ راجعون، مرحوم کے تین صاحبو زادگان ہیں۔

ان کی عتر تعلیمیہ ۸۰ء بس تھی، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسni ندوی اور ان کے افراد خاندان سے بڑا گھر تعلق تھا، انہوں نے جب تک صحت رہی، ناظم ندوۃ العلماء مخدوم و مربی حضرت مولانا سید محمد رائع حسni ندوی مذکور کے ساتھ تکنیکی کال کی مسجد شاہ علم اللہ حسni میں اعکاف کا معمول رکھا۔

☆ مولانا محمد یعقوب سہار پوری (مرکز نظام الدین دہلی) کے داماد ڈاکٹر انصار احمد کادلی میں سپت ۱۸۴۰ھ/۱۳۲۸ء مارچ کے ۲۰ء کو ۵ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا، انا اللہ وانا الیہ راجعون، اور پنچ بیان قبرستان میں تدقین عمل میں آئی، ان کے صاحبو زادے مولانا محمد سعد ندوی علم دین کی خدمت میں مصروف عمل ہیں۔

☆ ۱۸۴۰ھ/۱۳۲۸ء مارچ کا ۲۰ء کو بعد نماز عصر ڈاکٹر عبد الرحمن ندوی علیگ (پائیں پوری) کی

والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ جملہ مرحومین و مرحومات کی مغفرت کرے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے،

قارئین تعمیر حیات سے دعاء مغفرت کی درخواست ہے۔

علم و عمل

تعلیم و تربیت میں سیرت و کردار کی اہمیت

عبدالرشید ندوی راجستانی

کا احتیاط کرتے، اقان و ضبط کا خیال کرتے اور بھروسہ ہو جانے بعد کلام فرماتے، جبکہ ان کے شاگرد بھی اس کا جواب دے دیتے لیکن وہ اس میں توقف کرتے حتیٰ کہ یقین کامل اور تحقیق ہو جائے، نیز وہ کثرت سے نفلی روزے رکھتے تھے، خاموش مزاجی ان کا شیوه تھی، مجھے ان دونوں کی شخصیت، ان کی صحبت اور شاگردی اور ان کی سیرت و کردار کے مشاہدے سے جتنا فائدہ ہوا وہ کسی اور سے نہیں ہوا، تو میں نے اس بات کو باور کر لیا کہ تربیت بالفعل تربیت بالقول سے زیادہ مؤثر اور انفع ہے۔

[صیدالناطر، ابن جوزی]

زہد و قناعت، غلاص ولہبیت، بے لوٹی اور خیرخواہی، انبات و عبادت، خوف و خشیت، اور اتباع سنت جیسے اوصاف میں اللہ تعالیٰ نے تاثیر و تغیر کی وہ صلاحیت رکھی ہے کہ ایک نظر سے دل کی دنیا بدل جاتی ہے، ایسے اللہ تعالیٰ کے بندے کی ایک ساعت کی صحبت بسا اوقات وہ کیمیا اثر ہوتی ہے کہ مس خام کو کندن بنادیتی ہے یعنی گاہ مرد مون سے بدلت جاتی ہیں تقدیریں ورنہ علمی موہوگا فیاں، ادبی کلکتہ سنجیاں، اور فن کی باریکیاں سب بے اثر ثابت ہوتی ہیں، جن میں نہ حرارت ہوتی ہے نہ حلاوت، نہ ان سے دلوں کی سردانگی ٹھیکان سلسلتی ہیں، اور نہ آنکھیں نم ہوتی ہیں، نہ ان میں کوئی تحریک ہوتی ہے اور نہ ہی روشنی، نہ ان سے عقل و خروج کو رہنمائی ہوتی ہے اور نہ قلب و روح کو حظملتا ہے۔

نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر نغمہ ہے سو دائے خام خون جگر کے بغیر

الحمد لله رب العالمين، وصلى الله دوسرے لوگ علم و صلاحیت میں اس سے فائق ہوں، میں نے بعض حدیث کے علماء کو دیکھا جو علم حدیث میں کافی درک رکھتے ہیں، لیکن غیبیت اور تقدیم و تبصرہ جیسے عیوب میں تسائل واقع ہوئے تھے، حدیث پڑھانے پر اجرت لیتے تھے، مسائل کے جواب دینے میں جلدی کرتے تھے، اگرچہ معمouth فرمایا جو کامل و مکمل آئیڈیل تھے، خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن کریم نے ارشاد فرمایا: "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةً حَسَنَةً لَمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا"۔ [الاحزاب: ۲۱]

آج ہمارے معاشرے میں، مدارس و اداروں میں اس کا بڑا خلاصہ محسوس کیا جا رہا ہے، ہماری زندگی میں قول و عمل کی یک رنگی، ظاہر و باطن کی ہم آہنگی نہیں رہی، اعلیٰ کردار، بلند اخلاق، حسن عمل، دلکش و دل آویز سیرت، ربانیت ولہبیت جیسے اوصاف عنقا ہوتے جا رہے ہیں۔

میری نظر سے امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تحریگز ری جس نے مجھے اس جانب متوجہ کیا، اور دل پر بڑا اثر ڈالتا اور گہرا نقش قائم کرتا تھا،

یہم سیرت و سوانح کی کتابوں میں پڑھتے ہیں۔

اسی طرح میری ملاقات ابو منصور جواليقی

"کئی اساتذہ و مشائخ سے میرا واسطہ پڑا جو

سے ہوئی، وہ بہت زیادہ خاموش رہنے والے

ختے، کوئی بات بھی کرتے تو بڑے سوچ و بچارے

متقاوں تھے، لیکن مجھے اس کی صحبت سے سب

بعد اور ناپ تول کر، جواب دینے میں غایت درجہ

کے سامنے اسلام کی شیبیا چھی ہو۔

آوا میں جماعت اسلامی کا اجتماع

تری و ندرم سے یہ قافلہ آوا روانہ ہوا جو دس افراد پر مشتمل تھا، جس میں جناب ائمہ چشتی بھی شامل ہو گئے تھے، آوا میں عصر بعد جماعت اسلامی ہند کا ایک عظیم الشان پروگرام تفہیم شریعت کے عنوان سے وسیع و عریض میدان میں ہوا جس میں تقریباً چالیس ہزار کا مجمع ہوگا، حضرت مولانا مظہر نے شریعت کے متعلق جو غلط فہمیاں ہیں اور جو بنیادی باتیں ہیں، ان کی طرف اشارہ کیا اور مسلمانوں کو ان کی ذمہ داری کا احساس دلایا۔

جامعہ کوثریہ میں ایک شب
دہاں سے جامعہ کوثریہ روانگی ہوئی، ایک تبلیغی مدرسہ ہے جہاں کامل تعلیم ہوتی ہے، یہاں کے ذمہ داران اور اساتذہ سب دعوت و تبلیغ سے گمرا تعلق رکھتے ہیں، اس کے بائیوں میں مولانا محمد موسیٰ کا نام آیا ہے، جو کیرالا میں تبلیغ کے ساتھ ذمہ دار تھے، جامعہ کوثریہ میں عصر کی نماز کے بعد مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی اور جناب

ائیش چشتی کا خطاب ہوا، مغرب بعد حفظ قرآن کی تقریب تھی، حضرت مولانا مظہر نے اپنے تبلیغی پروگرام تھا جو گاندھی پارک میں ہوا، عصر بعد یہ سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کی آمد سے قبل مولانا سید محمود حسنی ندوی کا خطاب ہوا پھر حضرت مولانا مظہر کی آمد پر طلباء نے قرآن پاک کی آخری آیات کی تلاوت کی اور حضرت مولانا مظہر کا پغمبڑ خطاب ہوا۔

دہاں سے دوسرے دن صبح علمبر کے لیے روانہ ہوئے جہاں عالمی رابطہ ادب اسلامی کی کانفرنس "کیرالا کے ادب کا اسلامی ادب میں کردار" کے موضوع پر تھی جس میں حضرت مولانا مظہر

اسلام کا تعارف - وقت کی بڑی ضرورت

کیرالا کا فیام اور متعدد فکرانگیز خطابات

محمد امین حسنی ندوی

بنگلور سے رات کی ٹرین سے کیرالا روانگی ہوئی، کیرالا جنوبی ہند کا خوبصورت مقام ہے، ذمہ داری بڑھ جاتی ہے، مسلمان اپنی شریعت، اپنے بعض سیاحوں نے اس کو جنوبی ہند کی جنت قرار دیا ہے اور ایک بڑی تعداد اس کو کشیر سے بھی خوبصورت قرار دیتی ہے، کیرالا کے سواحل بالخصوص مالابار میں اہل عرب کے سفینے اترے، کیرالا کا پہلا نام پالی تھا، کیرالا آیور وید داؤں میں بہت مشہور ہے، وہاں کے پروگراموں کے منتظم مولانا عبد الشکور قاسمی، شیخ محمد انصاری ندوی، جو مشاء اللہ بڑا دعویٰ کام انجام دے رہے ہیں اور سید شعیب حسنی ندوی جو کیرالا میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، ساتھ ہو گئے۔

تری و ندرم میں تفہیم شریعت

کا ایک پروگرام

حضرت مولانا نے مزید فرمایا کہ: "آج اسلامی شریعت میں تبدیلی کی بات ہو رہی ہے اور عدالتوں میں جو مقدمات جاتے ہیں، ان کی بڑی تعداد وہ ہوتی جو خود مسلمان لے کر جاتے ہیں، لکھن شرم کی بات ہے کہ ایک مسلمان غیر مسلم کے پاس جا کر کہہ کر ہمیں اسلامی شریعت کا قانون نہیں چاہیے، ہمیں اللہ کا قانون اللہ کے نبی کا قانون نہیں چاہیے، جب ہم خود اسلامی شریعت اور اسلامی قانون میں تبدیلی چاہئے ہی تو ہم کیوں رونا روتے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ شریعت پر اعتناد بحال کیا جائے اور مطالعہ کیا جائے اور اخلاق کا مظاہرہ کیا جائے تاکہ دوسروں "اس وقت ملک جس دور سے گذر رہا ہے وہ

نیا میں کچھ نہ ہوتا، اللہ تعالیٰ نے زبانوں میں اختلاف دیا ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے:
”واختلاف المستکم“.

حضرت مولانا مذکور نے زبان سے تعلق رکھنے والی دو باتوں پر زور دیا، ایک تو یہ کہ اس سے اپنا مقصد پورا کریں، دوسرا یہ کہ اپنے احساسات کو بیان کریں اور یہی ادب ہے، ادب سے آدمی اپنا مقصد پورا کرتا ہے لیکن اس سے مزہ بھی لیتا ہے، ادب انسان کی خدمت کے لیے بھی ہے، ہم اس کو صرف مزے کے لیے نہیں بلکہ اس کا صحیح استعمال کریں، یہی اہم ہے، آج زبان کی اہمیت لوگ بھول گئے، ہم کو اسلامی ادب کو اختیار کرنا چاہیے، ہم ادب کو صحیح نجح دیں، ادب ہر جگہ اچھے مقصد کے لیے استعمال ہوا ہے، ادب کو استعمال کرنے سے بعض اوقات ماحول میں تبدیلی آجائی ہے۔

جناب مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

”رابطہ ادب اسلامی کو سمجھنے و فائدیت جانے کے لیے ادب کی تاریخ کو پڑھنا چاہیے، ادب نے اپنے زمانہ میں بڑے بڑے انقلاب برپا کیے ہیں، اسلامی تاریخ میں ادب کے ذریعہ بڑے بڑے انقلابات ہوئے ہیں، یونانی ادب یعنی مغربی ادب سے متاثر ہو کر ادب کو اخلاق سے الگ کر دیا گیا، عرب میں ایک مدرسہ ہے جس کو واقعیت کہتے ہیں یعنی ادب واقعیت، ان کا نظریہ ہے کہ واقعہ شر ہے اور شرع ہے، یہ نظریہ اسی مدرسہ کا ہے، اس وقت ادب واقعیت کا پوری دنیا میں چرچا ہے، اس کا نظریہ ہے کہ واقعہ شر ہے اور شرع ہے، شر اصل ہے، اور خیر مصنوعی ہے، ادب کو اسی راستہ پر ڈال دیا گیا ہے، ترقی پسندی نے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اسلامی قدرتوں کا جو نہ کام ادا میے، اس

ایک ہوٹل میں کچھ دیر قیام ہوا، عشاء سے قبل علمپور چہو پنچا ہوا، حضرت مولانا مدظلہ اور جناب

مولانا سید محمد واصح رشید حنفی ندوی پرستکان کا اثر تھا لیکن جناب محبی الدین ندوی جو رابطہ ادب اسلامی کیرالا کے صدر ہیں، انہوں نے کہا کہ رات کا کھانا جناب عبدالوهاب ممبر پارلیمنٹ کے ہاں ہے تو چارونا چار حضرت مولانا نامہ طلحہ ان کے ہاں تشریف لے گئے، کھانے کے بعد مختلف مسائل پر خاص کر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے جو مسائل ہیں، ان پر گفتگو ہوئی، دوسرے دن صبح ۱۰/۱۰ بجے اسی ہوٹل میں پروگرام شروع ہوا جس میں کیرالا کے ماہر خطیب جناب عبدالصمد صدماںی جو ممبر پارلیمنٹ بھی ہیں، موجود تھے اور ان کو حضرت مولانا نامہ طلحہ سے خاص تعلق ہے، عربی و اردو، انگلش، تمیل متعدد زبانوں میں مہارت رکھتے ہیں، معلوم ہوا کہ ان کا خطاب سننے لوگ بہت دور دور

سے آتے ہیں، اس پروگرام میں بھٹکل سے بھی ایک وفد آیا تھا جس کی قیادت مولانا محمد الیاس بھٹکلی ندوی کر رہے تھے، طلباء و طالبات سے پورا ہال بھرا تھا، سب سے پہلے حضرت مولانا مدنظرؒ کا خطاب ہوا جس کا تمیل زبان میں ترجمہ خود جناب عبدالصمد صدماںی نے کیا، حضرت مولانا مدنظرؒ نے ائمۃ خطاب میں فرمایا کہ:

ادب ایک طاقت ہے، ادب زبان کی بنیاد پر وجود میں آتا ہے، زبان اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور وہ ایسا ذریعہ ہے جس پر ہم اپنی پوری زندگی چلاتے ہیں، اگر زبان نہ ہوتی تو زندگی گزارنا کتنا مشکل ہو جاتا، اگر کسی زبان کو اچھے طریقہ سے ادا کیا جائے تو وہی ادب ہے، ادب کا تعلق کسی علاقہ سے نہیں، زبان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت ہے جس کی قدر نہیں ہو سکتی، اگر زبان نہ ہوتی تو د

اور جناب مولانا سید محمد واضح رشید حنفی ندوی کو شرکت کرنا تھی، یہ کافرنس ایک ہوٹل میں تھی، ٹیلمپور ملائپور آوا کے قریب ایک مسجد جس کو چیرمان مسجد کہا جاتا ہے، زمانہ قدیم میں کیرالا کے علاقے کوڈنگلور کا بادشاہ چیرمان ہوا کرتا تھا، جس نے محجزہ شق القمر کو دیکھا، بعد میں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ایمان بھی لایا۔ [بخاری ڈاکٹر حمید اللہ] پھر بادشاہ کی والپی میں وفات ہو گئی اور اسی قافلہ میں ایک وفد دعویٰ غرض سے ہندوستان روانہ ہوا جس میں حضرت مالک بن دینار بھی تھے، بادشاہ نے ایک خط ان کے حوالہ کیا جس میں کوڈنگلور کے بادشاہ کو حکم تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے، حضرت مالک بن دینار نے کوڈنگلور آ کر پہلی مسجد تعمیر کی اور اس کے امام و خطیب ہوئے، بعد میں انہوں نے اپنے صاحزادے یار شریعت دار حبیب بن مالک کے ذمہ کر دیا، اس مقام پر جو پہلا مقبرہ بنا وہ حبیب بن مالک کا ہے اور حضرت مالک بن دینار کا مقبرہ کاسر گوڈ میں بنا، اس مسجد کا سن تعمیر ۲۴۹ عہتا ماجاتا ہے۔

اس مسجد کو اس سے قبل حضرت مولانا مظلہ نے
نہیں دیکھا تھا، اس وجہ سے مسجد حاضری کا ارادہ
ہوا، اور وہاں کے منتظمین نے شاندار استقبال کیا،
وہاں پہنچ کر میڈیا والوں نے حضرت مولانا مظلہ کی
مختصر اور جامع تقریر کو نشر کیا جس میں حضرت مولانا
مظلہ نے عربوں کا ہندوستان سے تعلق کیسے قائم
ہوا؟ اس پر روشنی ڈالی اور پھر انسانیت کا پیغام دیا اور
اچھے اخلاق پر بنائے کی تلقین کی۔

فلمبورڈ میں رابطہ ادب

اسلامی کا یادگار جلسہ
یہ پورا راستہ تقریباً ۱۵۰ کیلو میٹر پر مشتمل تھا
لیکن پنجھے میں دس گھنٹے لگ کے، درمان میں

کرتے ہیں جن لوگوں نے قرآن پاک کو حفظ کیا، انہوں نے بڑی نعمت حاصل کی۔

کاسر کوڈ کاعربی اسکول
کھوفور سے بذریعہ ٹرین کاسر کوڈ، روائی ہوئی،

ایشیان پر احباب موجود تھے، وہاں سے سیدھے انسانیت کا کام کیسے کیا جائے؟ اس کا کیا منیخ ہوا؟ اور کام کی نوعیت کیا ہو؟ مولانا سید بلاں حسنی ندوی جناب داکٹر حبیب الرحمن کی قیام گاہ پر آنا ہوا، کھانے سے فراغت کے بعد آرام کیا، عصر بعد جلسہ تھا، مدرسہ عالیہ کی گولڈن جوبلی تھی، حضرت مولانا مذکورہ کا خطاب ہوا، اس کے بعد جناب مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کا خطاب ہوا، مولانا سید انس چشتی اور مولانا سید بلاں حسنی ندوی کا جناب انس چشتی اور مولانا سید بلاں حسنی ندوی کا مختصر خطاب ہوا، بھی کاظمین نے اپنے روایتی طریقہ سے اعزاز کیا، یہ ایک عربک اسکول ہے، جہاں اسلامی روانج کے ساتھ عصری تعلیم عربی، انگریزی اور ملیالم زبانوں میں دی جاتی ہے، اور اس کے پیغمبر میں ڈاکٹر حبیب الرحمن ہیں، جو منگور کے یونیٹ اپٹال کے چیئرمین بھی ہیں، اور ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی کے رکن بھی ہیں، بڑے ملخص اور محبت کرنے والے ہیں، ان کا یادوارہ المدرسة العربية العالية، اپنی عمر کے ۵۷ سال پورے کر رہا ہے، اس کی تیاری کا یہ جلسہ تھا۔

مسجد مالک بن دینار میں
کاسر کوڈ سے پروگرام کے بعد سیدھے منگور روائی ہوئی، بذریعہ کا حضرت مولانا مذکورہ، ڈاکٹر حبیب الرحمن کی کار سے سیدھے منگور گئے، جبکہ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی آپ کو ایک گلاں پانی قافلہ کے دوسرا لوگ مغرب کی نماز کے لیے ایک قدیم مسجد جسے مالک بن دینار مسجد کہا جاتا ہے، جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ شرف صحابیت رکھتے تھے، اور ۲۳۷ھ میں آئے، مگر یہ تحقیقی بات نہیں، ظنی اور مشہور روایت ہے، یہ صحیح ہے کہ ان کے ذریعہ قرآن مجید کو جو یاد کرتے ہیں، وہ بڑی نعمت حاصل یہاں اسلام آیا اور دین پھیلا، نماز کے لیے رک

بجے رات میں جامعہ پنچھے، رات میں قیام ہوا، اور صبح ۱۰ بجے پیام انسانیت کی ایک نشت تھی جس میں مولانا سید بلاں حسنی ندوی کا خطاب تھا، جس کا مقصد تھا کہ کیرالا میں اور خاص کر کھور میں پیام انسانیت کا کام کیسے کیا جائے؟ اس کا کیا منیخ ہوا؟ اور کام کی نوعیت کیا ہو؟ مولانا سید بلاں حسنی ندوی سے قبل جناب انس چشتی کا مختصر خطاب ہوا، اس کے بعد مولانا سید بلاں حسنی ندوی نے پیام انسانیت کے اغراض و مقاصد اور اس کے طریقہ کار پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔

عصر کی نماز تک حضرت مولانا مذکورہ بھی کالی کٹ سے کھور پہنچ گئے، مغرب بعد تفہیم شریعت کا پروگرام تھا اور اسی پروگرام میں حفظ قرآن کی تقریب بھی تھی، اس پروگرام سے خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا مذکورہ نے فرمایا کہ:

”اللہ تعالیٰ نے ہم کو جو نعمتیں دی ہیں تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اس کا شکریہ ادا کریں، اگر آپ غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہم کو نعمتیں دی ہیں، اگر ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ روک لے تو ہم کیا کر سکتے ہیں، ہم سوچیں کہ ہماری پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر ہے، شکر زبان سے بھی ادا ہوتا ہے اور عمل سے بھی، عمل کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کیا جائے، چاہے وہ عبادات کی شکل میں ہو یا معاملات کی شکل میں، اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی آپ کو ایک گلاں پانی دے تو آپ اس کا شکریہ ادا کریں گے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنی نعمتیں دیں تو کیا اس کا شکریہ ادا نہ کیا جائے، اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنا کلام دیا، اس کا کلام غیر معمولی ہے، قرآن مجید کتنا بڑا اعزاز ہے، ہم اس کو سمجھتے نہیں، قرآن مجید کا پڑھنا بھی عبادت ہے،

وسری طرف مولانا سید بلاں حسنی ندوی، جناب انس چشتی، مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی اور راقم الحروف کھور جامعہ عین المعارف کے لیے روانہ ہوئے، جامعہ عین المعارف کے بانی و مہتمم مولانا محمد انس بھی ساتھ تھے، ہم لوگ تقریباً ۱۲۰

ادب کے نتیجہ میں فساد پھیلا ہے، اس سے ایک نسل پیدا ہو گئی ہے، ہمارا میڈیا اسی ادب سے متاثر ہے، یہ صرف ادب میں اخراج کی وجہ سے فساد پھیلا ہے، کسی اور وجہ سے نہیں پھیلا۔“

مولانا مذکورہ نے مزید کہا کہ: عربی ادب نے سب سے زیادہ نقصان پہنچایا، یہاں تک کہ شامی جو ترکی گئے، وہ اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پہچانتے، اردو ادب سے زیادہ عربی ادب میں مذاق اڑایا گیا، اس وقت اسلامی ادب کی ضرورت ہے، اس لیے اسلام انسانیت کی خیر کا دین ہے، اسلام میں خیر کی دعوت دی جاتی ہے، حسن پیان نہ ہوتا ادب نہیں، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے عربوں کو اسی چیز کی طرف متوجہ کیا، یہ خوش آئند پہل ہے کہ ایک ماہ کے اندر حیدر آباد، بنگلور اور کیرالا میں ادب جیسے حساس موضوع پر تین سمینار ہوئے جس سے ان کی افادیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔“

کالی کٹ (کوڈی کوڈی میں
علمور سے حضرت مولانا مذکورہ اور جناب مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کالی کٹ روانہ ہو گئے، جہاں کالی کٹ یونیورسٹی میں ایک استقبالیہ پروگرام تھا جس میں وہاں کے واسی چانسلر ڈاکٹر بشیر اور مختلف شعبوں کے ذمہ داران و اساتذہ و طلباء اور متعدد لوگ شریک ہوئے۔

جامعہ عین المعارف کا تعلیمی پروگرام

وسری طرف مولانا سید بلاں حسنی ندوی، جناب انس چشتی، مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی اور راقم الحروف کھور جامعہ عین المعارف کے لیے روانہ ہوئے، جامعہ عین المعارف کے بانی و مہتمم مولانا محمد انس بھی ساتھ تھے، ہم لوگ تقریباً ۱۲۰

کران کو بہت خوشی ہوئی، وہیں جناب بہاء الدین ندوی بھی موجود تھے، جناب سعید الحارب سے مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کی ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب وہ مولاناڈاکٹر سعید الرحمن عظیمی ندوی کے ساتھ ریاض تشریف لے گئے تھے، اس لیے وہ پچھانتے تھے، انہوں نے کہا کہ وہ برابر مجلہ "البعث الاسلامی" اور "الراشد" کا مطالعہ کرتے ہیں، دیریکٹ مختلف موضوعات پر تباہ خیال ہوا، مغرب بعد حضرت مولانا مدظلہ سے شیخ علی مصلیار کثی نے بیعت سلوک کی اور مزید اجازت حدیث کی درخواست کی تو حضرت مولانا مدظلہ نے ان کو اجازت حدیث دی، اس کے بعد حضرت مولانا صدماںی نے کہا، حضرت مولانا نے فرمایا کہ: "اس مجتمع کو دیکھ کر بڑی سرست ہوئی، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نام اور دین کے نام پر جمع ہوئے ہیں، اس میں وہ بھی ہیں جو فراغت حاصل کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حکم دیا ہے کہ: مولانا مدظلہ کو انہوں نے اختتامی جلسہ میں کلیدی طلاق کی دعوت دی، حضرت مولانا مدظلہ نے ان میں مت ہو، الگ الگ نہ ہو، اور یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ مسلمان شریعت کے نام پر ایک ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہم کو جو دین عطا فرمایا ہے، وہ بڑی خصوصیات کا حامل ہے اور یہ خصوصیات دوسرے مذاہب میں نہیں ملتی ہیں، وہ خصوصیات یہ ہیں کہ اسلام ہم کو پوری زندگی میں رہنمائی دیتا ہے کہ تم اپنی زندگی ایسی گذارو جوانسنبت کی شرافت کی اور آپس میں خیر خواہی کی ہو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو شریعت دی گئی ہے اس شریعت پر کمل عمل کرنے کا حکم ہے اور یہ چیز صرف اسلام میں ہے، ہم شریعت

کیوالا کا عظیم تعلیم و اصلاحی اجلاس

دوسرے دن اقراء عربک اسکول میں جہاں حضرت مولانا مدظلہ قیام کرتے ہیں، ختم قرآن مجید کی تقریب ہوئی اور حضرت مولانا مدظلہ کا خطاب ہوا، منگلور میں بھٹکل والوں کا اصرار تھا کہ ایک دو دن کے لیے بھٹکل تشریف لا تیں اور صرف آرام کریں لیکن کیرالا میں ایک اہم پروگرام تھا جس کی اہمیت کے بارعے میں متعلقین نے اصرار کیا کہ جناب شیخ علی مصلیار کوئی جو جامعہ نوریہ عربیہ کے شیخ ہیں، اور صحیح بخاری کے قدیم اور مقبول استاد ہیں، جن کی سرپرستی میں ایک لاکھ علماء دینی کام انجام دے رہے ہیں اور طلباء کی بڑی تعداد ان کے ہاں تعلیم حاصل کر رہی ہے، ان کا سالانہ پروگرام ہوتا ہے جس میں تقریباً تین لاکھ کا مجمع تھا اور پورے کیرالا میں اس کوئی وی پر دھایا گیا، عالم عرب سے متعدد لوگ اس میں شرکت کرتے ہیں اور ان کا ایک بڑا حلقوہ ہے، لوگوں نے کہا کہ اس سے تعارف ہوگا اور ادارہ کو فائدہ ہوگا تو حضرت مولانا مدظلہ کو انہوں نے اختتامی جلسہ میں کلیدی طلاق کی دعوت دی، حضرت مولانا مدظلہ نے ان کی دعوت قبول کر لی اور دوبارہ کیرالا کا سفر ہوا، بالا پورم ضلع میں پتامی شہر میں ایک مدرسہ ہے مدرسہ رباعیہ، جس کے مقام مولانا محمد عثمان ہیں، انہی کے کسی عزیز کے ایک مکان میں قیام ہوا، عصر بعد جامعہ نوریہ عربیہ کے لیے (جو تقریباً ۱۵ کیلومیٹر فاصلہ پر تھا) لکھ، شیخ الجامعہ جناب علی مصلیار کوئی جزل سکریٹری جمیعہ علماء کیرالا و ممبر آل اٹھیا مسلم پرنسنل لا بورڈ متنظر تھے، مجمع تاحد نگاہ تھا، اسی وقت جملہ "المنار" کے سابق ایڈیٹر ڈاکٹر سعید الحارب بھی تشریف لے آئے، حضرت مولانا مدظلہ سے مل

گئے، جمعرات کا دن تھا، زائرین کی بڑی تعداد موجود تھی، اندر جانا مشکل تھا، وہیں ایک ندوی عالم سے ملاقات ہو گئی جو وہاں کام کرتے ہیں، کوشش کی گئی کہ فاتحہ پڑھ لی جائے، بڑی محنت سے مکن ہوسکا لیکن افسوس ہوا کہ وہی رسومات اور خرافات اور شرکیہ افعال لیکن ایک چیز جو وہاں دیکھی کہ جہری دعائیں کوئی شرکیہ بات نہیں ملی اور دعا کے بعد مقامی زبان میں بیان ہو رہا تھا، وہ بھی اصلاحی تھا، وہاں کے ایک مدرسہ کے ذمہ دار ابو بکر صدیق ندوی بھی ملے، وہاں سے فراغت کے بعد ہم لوگ منگلور کے لیے روانہ ہو گئے، اقراء عربک اسکول میں قیام ہوا۔

منگلور میں

منگلور میں جمیعہ کے دن عصر بعد یونیٹ ایپ Unity App کا افتتاح حضرت مولانا مدظلہ کے مبارک ہاتھوں سے ہوا، اس موقع پر حضرت مولانا مدظلہ، جناب مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ، مولانا سید بلاal حسنی ندوی کو مومنو پیش کیا گیا، اسکی خاص Unity App کی خاص بات یہ تھی کہ یہ دینی مزار کو سامنے رکھ کر بنایا گیا جس میں انسان کو آخرت کا استحضار اور آخرت کی فکر کے تعلق سے کام کیا گیا ہے، حضرت مولانا مدظلہ نے دنیا کی حقیقت اور آخرت کی فکر کے تعلق سے خطاب کیا۔

جناب مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نے اس موقع پر کہا کہ: "انسان اس دنیا کی کتنی فکر کرتا ہے جبکہ اس کو یقین ہے کہ موت اس کو آئے گی اور زیادہ سے زیادہ وہ سو سال یا کچھ زائد رہ سکتا ہے لیکن وہ آخرت کو بھول چکا ہے اور انسان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ آخرت میں اس کے لیے یا تو باغ ہو گیا آگ، دونوں میں سے ایک چیز ملے گی، چاہے تو مزے کرے یا اپنی قسمت کروئے"۔

مولانا سید محمد الحسنی (بانی مدیر تعمیر حیات) کی علمی، فکری و دینی تحریروں کے مجموعات

Rs.60	☆ قرآن آپ سے مخاطب ہے
Rs.30	☆ انسانیت آج بھی اُسی دور کی محتاج ہے
Rs.60	☆ جادہ فکر و عمل
Rs.100	☆ تذكرة حضرت شاہ علم اللہ حسنی
Rs.130	☆ الاسلام الممتحن
Rs.80	☆ مع الحقيقة
Rs.80	☆ اضواء علی الطريق

رابطہ: سید احمد شعید اکیڈمی ۳ائے بریلی

موباہل نمبر: 9919331295

RS- 4200/-

۱ (آسان ہندی تفسیر) تفسیر فاروقی (مفتی محمد سرور فاروقی ندوی)

(یہ سات جلدیوں پر مشتمل) آسان ہندی زبان میں تفسیر ہے جس میں ہر ہر آیت کی تفسیر اگلے آگلے نمبروں کی طبق ہے جس میں اس آیت سے متعلق حدیث، مسائل اور غیر مسلموں کے جوابات دئے گئے ہیں جو مسلم بوسلم و غیر مسلم بھائیوں کے لئے بہت مفید ہے۔

RS- 150/-

۲ (آسان ہندی ترجمہ قرآن) قرآن کا پیغام (مفتی محمد سرور فاروقی ندوی)

(یہ ایک جلدی مکمل) آسان ہندی ترجمہ ہے جس میں آئندے سامنے آئیں آیت کا اگلے آگلے نمبروں کا ترجمہ لکھا گیا ہے۔

RS- 300/-

۳ (لفظی روای اردو ترجمہ) معانی القرآن الکریم (مفتی محمد سرور فاروقی ندوی)

(یہ لفظی ترجمہ کے اعتبار سے روای اردو ترجمہ ہے جس میں براہی الفاظ کی ترجمہ کے طالب اردو ترجمہ ہر آیت کا اگلے آگلے آئندے سامنے لکھا گیا ہے۔

RS- 40/-

۴ تشریح لغات القرآن الکریم (تفصیلی ترجمہ کے ساتھ لغوی، بخوبی و سرفی تعریف) (پارہ ۱)

ان کے علاوہ مفتی محمد سرور فاروقی ندوی کی تحریر کردہ دعوت سے متعلق ہندی، اردو، عربی، انگریزی میں 150 سے زائد کتابیں ہیں جسے درج ذیل پڑتے ہے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

**ناشر: مکتبہ پیام امن، ندوی روزہ، ذاتِ گنہ، لکھنؤ
موباہل نمبر- 0091- 9984490150 , 09919042879**

پر مکمل عمل کرتے ہیں اور ان شاء اللہ کرتے رہیں گے، شریعت زندگی کے تمام حالات پر مشتمل ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں شریعت کو اللہ تعالیٰ نے رکھ دیا۔

حضرت مولانا نام نظر نے مزید فرمایا کہ:

”اس ملک میں دستور کے مطابق شریعت پر عمل کرنے کا پورا حق ہم کو ملا ہے، ہم اس ملک میں عزت کی زندگی گذارنے کا حق رکھتے ہیں، اس ملک کو مسلمانوں نے بہت کچھ دیا ہے، تہذیب دی ہے، ثافت دی ہے، زندگی گذارنے کا صحیح طریقة دیا ہے، اس ملک میں مسلمانوں نے حکومت کی اور آج بھی بہت سے ممالک میں مسلمانوں کی حکومت ہے، مسلمان ایک پیغام رکھتے ہیں، مسلمانوں کے پاس صاف ستری شریعت ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، شریعت میں تبدیلی کا حق کسی کو نہیں، یہ شریعت کسی انسان کی طرف سے نہیں ملی بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہے، آل انڈیا مسلم پرنسپل لا بورڈ حکومتی و قانونی سطح پر اپنا کام کر رہا ہے لیکن انفرادی سطح پر مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ شریعت پر مکمل عمل کریں، شریعت کے کسی جزو کو نہ چھوڑیں اور اسلام پر اپنی زندگی گذاریں، اسلام پر خود بھی عمل کریں اور دوسروں تک اسلامی تعلیمات کو پہنچائیں۔“

جامع نوری یہ عربی سے ہم لوگ قیام گاہ پر آگئے اور دوسرے دن پہنچی کے ایک مدرسہ ربانیہ میں حضرت مولانا نام نظر، جناب مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کا اور مولانا بلال حسنی ندوی، مولانا محمود بلال حسنی ندوی کا خطاب ہوا، اور وہیں سے مولانا سید مبلغور اور محبیت کے راستہ اڑیسہ روانہ ہو گئے۔

☆☆☆☆☆

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

فاطمہ کے لیے دعا کرنا بہتر ہے لیکن اگر ان کا نام نہ
لیا جائے تو بھی خطبہ ہو جائے گا، خواہ سہوا نام نہ لیا
گیا یا عمداً، ان حضرات کا نام لینا خطبہ درست ہونے
کے لیے ضروری نہیں۔ [الدراختار: ج ۲/ ص ۱۳۸]

سوال: دوران خطبہ گفتوگو کرنا، یا سنت پڑھنا یا
چندہ کا بکس ادھر سے ادھر کرنا درست ہے یا نہیں؟
جواب: خطبہ کے وقت گفتوگو کرنا، سنت پڑھنا یا
چندہ کے بکس ادھر سے ادھر کرنا منوع ہے، علامہ
حصانیؒ نے لکھا ہے کہ ہر وہ چیز جو نماز میں منوع ہے
وہ خطبہ میں بھی منوع ہے، بیہاں تک کہ امر
بالمعروف اور نبی عن الممنکر بھی منوع ہے بلکہ خطبہ
خاموش سننا دراجب ہے۔

[الدراختار علیہا مسٹر الدراختار: ج ۳/ ص ۳۳]

سوال: خطبہ کے دوران درود شریف پڑھنا اور
جواب دینا کیسا ہے؟

جواب: خطبہ کے دوران درود شریف زبان سے
پڑھے بلکہ دل سے آہستہ آہستہ پڑھے، امام طحاویؒ[ؒ]
نے بیان کیا ہے کہ امام جب آیت قرآنی: “يَا أَيُّهَا[ؒ]
الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا”[ؒ]
پڑھے تو مقتدری بھی درود وسلام پڑھے، اور الجامع
الحسامی میں یہ صراحة ہے کہ سننے والا دل میں
آہستہ درود وسلام پڑھے۔ [الفتاویٰ التاریخیة]
علامہ شامیؒ نے حقیقت کے بعد یہ رائے دی ہے کہ آپ
صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنتے کے بعد دل میں درود شریف
اس طرح پڑھے کہ اپنے کو سنائے اور حروف بھی ادا
کرے: ”والصواب أن يصلّى على النبي صلی[ؐ]
الله علیہ وسلم عند سماع اسمه في نفسه أو
يصحّح الحروف فإنهم فسروه به۔“

[الدراختار: ج ۲/ ص ۱۵۶، باب الجمعة]

☆☆☆☆

سوال: اگر کوئی شخص سنت جمعہ پڑھ رہا ہو کہ جمعہ کا
خطبہ شروع ہو جائے، کیا خطبہ سنتے کے لیے سنت کو

جواب: تینوں سیرہ ہیوں میں سے جس پر امام کھڑے
ہوں، ہو سکتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس
استراحت کے علاوہ تین زینے بنائے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیسری سیرہ پر کھڑے ہوتے تھے، اور اپنے بیٹھنے کی جگہ پر بیٹھتے تھے، اگر قدم پہلی سیرہ یا دوسری یا تیسری پر بھی رکھیں تو اس میں کوئی حرث نہیں ہے۔

[رداختار: ج ۳/ ص ۳۹، باب الجمعة]

سوال: اگر امام جمعہ موجود نہ ہوں اور کوئی حافظ قرآن

موجود ہوں، خطبہ کی کتاب نہ ہو اور حافظ صاحب صرف
آیات قرآنی پڑھ کر دونوں خطبے دیں تو کیا یہ خطبہ درست
ہو گا؟

[ابحر الرائق: ج ۲/ ص ۲۷]

سوال: اگر خطبہ ایک شخص دے اور نماز دوسرا شخص
پڑھائے تو کیا شرع میں اس کی اجازت ہے، کیا
امام ہی کے لیے خطبہ دینا ضروری ہے؟

جواب: بہتر طریقہ یہی ہے کہ ایک ہی شخص خطبہ
بھی دے اور نماز بھی پڑھائے لیکن اگر دو الگ الگ
افراد نے الگ الگ ذمہ داری انجام دی، ایک نے
خطبہ دیا اور دوسرے نے نماز پڑھائی تو یہ بھی
درست ہے، اس سے نہ خطبہ پر کوئی اثر پڑے گا اور
نہ نماز پر، علامہ شامی نے اس کی صراحة کی ہے:

”فلا ينبغي أن يقيمها اثنان وإن فعل جاز“۔
[رداختار: ج ۳/ ص ۱۱]

سوال: ممبر میں تین سیرہ ہیاں ہوتی ہیں، امام کو

کس سیرہ پر کھڑا ہونا چاہیے، اگر پہلی یا دوسری
جواب: خطبہ میں حضرات حسینؑ اور حضرت

NADWATUL-ULAMA

PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U.P. (INDIA)



ندوہ العلماء

پوسٹ بائس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

باسمہ تعالیٰ

Date _____

تاریخ _____

اہل خیر حضرات سے!

خدا کا شکر ہے کہ ہم ان بیش قیمت اصولوں کو سینہ سے لگائے ہوئے ہیں جن کے لیے دارالعلوم قائم کیا گیا تھا یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی مؤثر اور صحیح تربیتی، دین و دنیا کی جامعیت اور علم و روحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنہ لاد بیت اور ذہنی ارتکاد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور علوم اسلامیہ کی برتری و امتیاز کا اعلان و اظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت، ہمارے نزدیک مالیات، بجٹ اور عظیم الشان عمارتوں کے مقابلہ میں ان مذکورہ مقاصد کا حصول زیادہ اہم ہے، مسئلہ کی اس قدر تشریف اور وضاحت کے بعداب مزید کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔

ان گذارشات کے بعد آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دارالعلوم کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون واعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائیدار کوئی صدقہ جاری نہیں، آپ میں سے جو لوگ ندوہ العلماء کے پچاسی سالہ جشن میں شریک تھے، ان کو یاد ہوگا کہ ندوہ العلماء کے پچاسی سالہ اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسني ندویؒ نے غیر ملکی معزز عرب مہماں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: ”یہ سونے کی چیزیں سب اڑ جائیں گی، ہم اور آپ یہاں رہیں گے، آپ یہ نہ سمجھیں کہ اب آپ کو چھٹی مل گئی، ہم آپ کو چھوڑ نے والے نہیں، ہمارے سیفرا آپ کے گھروں پر جائیں گے، آپ کے چار آنے، آٹھ آنے ہم کو عزیز ہیں، یہ جو کچھ دیں گے وہ اس دولت کا ہزارواں حصہ ہوگا جو خدا نے ان کو دیا ہے، اور جو آپ دیں گے وہ آپ کے گاڑھے پسینہ کی کمائی ہوگی۔“

ہندوستان کے مسلمانوں سے خواہ وہ اس طویل و عریض ملک کے کسی علاقہ کے ہوں، ہماری مکر درخواست ہے کہ وہ اس کام کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کو اپناہی کام سمجھیں، ہمیں یقین ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر پورا بھروسہ ہے کہ ان شاء اللہ ظالم ندوہ العلماء حضرت مولانا سید محمد راجح حسني ندوی مدظلہ کی بیش قیمت رہنمائی و نظمت میں اگر احباب و خلائق میں نے پوری دلچسپی لی تو ہمارا یہ پیغام نہ صرف ملک کے بلکہ عالم اسلام کے کونے کونے میں پہنچ گا، و ماذلک علی اللہ بعزیز۔

(مولانا) محمد واضح رشید ندوی (مولانا) سعید الرحمن عظی ندوی (مولانا) سعید الرحمن عظی ندوی
(پروفیسر) اطہر حسین (پروفیسر) اطہر حسین
مہتمم دارالعلوم ندوہ العلماء معتمد مال ندوہ العلماء

نوت: چک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:

NADWATUL ULAMA A/C NO. 10863759711 (عطیات)

A/C NO. 10863759766 (State Bank of India Main Branch, Lucknow.) (زکوٰۃ)

اور اس پتہ پر ارسال کریں:

NAZIM NADWATUL ULAMA,
NIZAMAT OFFICE, NADWATUL ULAMA,
TAGORE MARG, LUCKNOW- 226007 (U.P.)

Phone : (91-522) 2741231, 2741316, 2740151, Fax : 2741221

E-mail address : nadwa@sancharnet.in/ website : www.nadwatululam.org.